

عَلَامَةُ صَفَةِ طَهِيْرِيْنَ

تبرکات کی شرعی حیثیت

قرآن و حدیث پر مبنی عقائد و اعمال کو صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین و ائمہ دین کے فہم کی روشنی میں سمجھنا اور اپنانا اہل سنت و اہل حق کا وطیرہ ہے۔ کتنے ہی عقائد و اعمال ایسے ہیں کہ سلف صالحین کے نزدیک وہ کفر و شرک اور بدعت ہیں، لیکن اہل کلام و اہل بدعت کے ہاں وہ دین کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مذہب سلف کی بنیاد قرآن و حدیث پر ہے، جبکہ اہل بدعت کا مزمومہ دین ان کی آراء و خواہشات پر مبنی ہے۔ یہ لوگ پہلے عقیدہ اور عمل وضع کرتے ہیں، بعد میں قرآن و حدیث کی باطل تاویل اور دوراز کار توجیہ کر کے اسے بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ یوں ان کا عقیدہ اور عمل سلف صالحین کے مطابق باطل قرار پاتا ہے۔

✿ امام اندلس، محمد بن وضاح رحمہ اللہ (199-286ھ) فرماتے ہیں:

فَعَلَيْكُمْ بِالِاتِّبَاعِ لِأَئِمَّةِ الْهُدَى الْمَعْرُوفِينَ، فَقَدْ قَالَ بَعْضُ مَنْ مَضَى: كَمْ مِنْ أَمْرٍ هُوَ الْيَوْمَ مَعْرُوفٌ عِنْدَ كَثِيرٍ مِنَ النَّاسِ؛ كَانَ مُنْكَرًا عِنْدَ مَنْ مَضَى، وَمُتَحَبَّبٌ إِلَيْهِ بِمَا يُبْغِضُهُ عَلَيْهِ، وَمُتَقَرَّبٌ إِلَيْهِ بِمَا يُبْعِدُهُ مِنْهُ، وَكُلُّ بِدْعَةٍ عَلَيْهَا زِينَةٌ وَبَهْجَةٌ.

”تم پر معروف ائمہ ہدیٰ کی پیروی ضروری ہے۔ بعض اسلاف نے کہا ہے: کتنے ہی معاملات آج لوگوں میں مشہور ہیں، لیکن اسلاف کے ہاں وہ منکر تھے، کتنے ہی امور آج محبوب ہیں، حالانکہ اسلاف کے نزدیک قابل نفرت تھے اور کتنے ہی معاملات آج تقرب الہی کا ذریعہ سمجھے جاتے ہیں، جبکہ اسلاف کے ہاں وہ اللہ

تعالیٰ سے دُوری کا سبب تھے۔ ہر بدعت خوبصورت اور خوش نما ہوتی ہے۔“

(البدع والنہی عنہا، ص: 89، تحت الحدیث: 107)

تین فضیلت والے زمانوں کے لوگ، یعنی صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین معیارِ حق ہیں۔ ان کے فہم و منہج کے مطابق قرآن و حدیث کی پیروی ضروری ہے۔ تبرک ایسے اہم مسئلہ پر بھی ہم فہم سلف کی روشنی میں گفتگو کرتے ہیں۔

تبرک کی تعریف :

عالمِ عرب کے مشہور عالم، علامہ محمد بن صالح، عثیمین رضی اللہ عنہ (1347-1421ھ)

تبرک کے حوالے سے فرماتے ہیں:

تَبَرُّكَ تَفْعُلُ مِنَ الْبَرَكَةِ، وَالْبَرَكَةُ هِيَ كَثْرَةُ الْخَيْرِ وَثُبُوتُهُ، وَهِيَ مَأْخُذَةٌ مِنَ الْبَرَكَةِ بِالْكَسْرِ، وَالْبَرَكَةُ مَجْمَعُ الْمَاءِ، وَمَجْمَعُ الْمَاءِ يَتَمَيَّزُ عَنْ مَجْرَى الْمَاءِ بِأَمْرَيْنِ؛ الْكَثْرَةُ وَالثَّبُوتُ، وَالتَّبَرُّكُ طَلَبُ الْبَرَكَةِ، وَطَلَبُ الْبَرَكَةِ لَا يَخْلُو مِنْ أَمْرَيْنِ؛ الْأَوَّلُ أَنْ يَكُونَ التَّبَرُّكُ بِأَمْرِ شَرْعِيٍّ مَعْلُومٍ، مِثْلُ الْقُرْآنِ، قَالَ تَعَالَى: ﴿كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ﴾ (ص 38 : 29)، فَمِنْ بَرَكَتِهِ أَنْ مَنْ أَخَذَ بِهِ حَصَلَ لَهُ الْفَتْحُ، فَأَنْقَذَ اللَّهُ بِذَلِكَ أُمَّةً كَثِيرَةً مِنَ الشَّرِّ، وَمِنْ بَرَكَتِهِ أَنَّ الْحَرْفَ الْوَاحِدَ بَعَشَرَ حَسَنَاتٍ، وَهَذَا يُوفِّرُ لِلْإِنْسَانِ الْوَقْتَ وَالْجُهْدَ....، إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ مِنْ بَرَكَاتِهِ الْكَثِيرَةِ، وَالثَّانِي أَنْ يَكُونَ بِأَمْرِ حِسِّيٍّ مَعْلُومٍ، مِثْلُ التَّعْلِيمِ، وَالِدُّعَاءِ، وَنَحْوِهِ، فَهَذَا الرَّجُلُ

يَتَبَرَّكُ بِعِلْمِهِ وَدَعْوَتِهِ إِلَى الْخَيْرِ، فَيَكُونُ هَذَا بَرَكَةً لِّأَنَّا نَلْنَا مِنْهُ خَيْرًا كَثِيرًا، وَقَالَ أُسَيْدُ ابْنُ حُضَيْرٍ: مَا هَذِهِ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ، فَإِنَّ اللَّهَ يَجْرِي عَلَى بَعْضِ النَّاسِ مِنْ أُمُورِ الْخَيْرِ مَا لَا يَجْرِيهِ عَلَى يَدِ الْآخِرِ، وَهُنَاكَ بَرَكَاتٌ مَوْهُومَةٌ بَاطِلَةٌ مِثْلُ مَا يَزْعُمُهُ الدَّجَالُونَ أَنَّ فُلَانًا - الْمَيِّتَ الَّذِي يَزْعُمُونَ أَنَّهُ وَلِيٌّ - أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَرَكَتِهِ، وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ، فَهَذِهِ بَرَكَةٌ بَاطِلَةٌ، لَا أَثَرَ لَهَا، وَقَدْ يَكُونُ لِلشَّيْطَانِ أَثَرٌ فِي هَذَا الْأَمْرِ، لِكِنَّهَا لَا تَعْدُو أَنْ تَكُونَ آثَارًا حَسِيَّةً، بِحَيْثُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَخْدُمُ هَذَا الشَّيْخَ، فَيَكُونُ فِي ذَلِكَ فِتْنَةٌ، أَمَّا كَيْفِيَّةُ مَعْرِفَةِ هَلْ هَذِهِ مِنَ الْبَرَكَاتِ الْبَاطِلَةِ أَوِ الصَّحِيحَةِ؛ فَيُعْرِفُ ذَلِكَ بِحَالِ الشَّخْصِ، فَإِنْ كَانَ مِنْ أَوْلِيَاءِ اللَّهِ الْمُتَّقِينَ الْمُتَّبِعِينَ لِلْسُنَّةِ الْمُتَّبَعِينَ عَنِ الْبِدْعَةِ، فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ يَجْعَلُ عَلَى يَدَيْهِ مِنَ الْخَيْرِ وَالْبَرَكَاتِ مَا لَا يَحْصُلُ لِغَيْرِهِ، وَمِنْ ذَلِكَ مَا جَعَلَ اللَّهُ عَلَى يَدِ شَيْخِ الْإِسْلَامِ ابْنِ تَيْمِيَّةٍ مِنَ الْبَرَكَاتِ الَّتِي انْتَفَعَ بِهَا النَّاسُ فِي حَيَاتِهِ وَبَعْدَ مَوْتِهِ، أَمَّا إِنْ كَانَ مُخَالَفًا لِلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، أَوْ يَدْعُو إِلَى بَاطِلٍ، فَإِنَّ بَرَكَتَهُ مَوْهُومَةٌ، وَقَدْ تَضَعُهَا الشَّيَاطِينُ لَهُ مُسَاعَدَةً عَلَى بَاطِلِهِ، وَذَلِكَ مِثْلُ مَا يَحْصُلُ لِبَعْضِهِمْ أَنَّهُ يَقِفُ مَعَ النَّاسِ فِي عَرَفَةِ ثُمَّ يَأْتِي إِلَى بَلَدِهِ، وَيُضْحِي مَعَ أَهْلِ بَلَدِهِ.

”تبرک، برکتہ مادہ سے باب تفعّل کا مصدر ہے۔ بھلائی کی کثرت اور اس کے دوام کو برکت کہتے ہیں۔ لفظ برکت، برکتہ سے ماخوذ ہے، جو پانی کے تالاب کو کہا جاتا ہے۔ تالاب کا بہتے ہوئے پانی سے دو طرح کا فرق ہوتا ہے؛ ایک زیادہ ہونے سے اور دوسرے ٹھہرنے سے۔ تبرک برکت طلب کرنے کا نام ہے۔ برکت کو طلب کرنا دو طرح سے ہو سکتا ہے؛ ایک تو کسی شرعی معلوم امر سے، جیسے قرآن کریم سے برکت حاصل کرنا، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ﴾ (جو کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے، مبارک ہے)۔ یہ اس کتاب کی برکت ہے کہ جو اسے اپنا لیتا ہے، اسے فتح حاصل ہوتی ہے۔ اس کتاب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بہت سے لوگوں کو شرک سے بچایا۔ یہ بھی قرآن کریم کی برکت ہے کہ ایک حرف کے بدلے میں دس نیکیاں ملتی ہیں۔ اس سے انسان کے وقت اور محنت دونوں کی بچت ہوتی ہے۔ یوں قرآن مجید کی اور بھی بہت سی برکات ہیں۔ برکت کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی حسی معلوم چیز سے برکت حاصل کی جائے، جیسے تعلیم، دعا وغیرہ سے۔ کوئی شخص اپنے علم اور نیکی کی طرف دعوت کی وجہ سے متبرک ہے، تو اس سے برکت حاصل ہوگی، کیونکہ ہم اس سے بہت زیادہ بھلائی حاصل کر سکیں گے۔ (مثلاً جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہار گم ہونے پر تیمم کا حکم نازل ہوا، تو) سیدنا اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اسی بنا پر کہا تھا: اے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آل! یہ کوئی تمہاری پہلی برکت نہیں۔ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے ہاتھ پر ان امورِ خیر کو جاری کر دیتا ہے، جو دوسروں کے ہاتھ پر جاری نہیں ہوتے۔ لیکن بہت سی باطل اور وہم و گمان پر مبنی برکات ہیں، جیسے دجال قسم کے لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ فلاں مردہ، جسے وہ ولی سمجھ رہے ہوتے ہیں، نے تم پر

یہ برکت نازل کی ہے، وغیرہ۔ یہ باطل برکت ہے، جس کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور بسا اوقات تو شیطان اس معاملے میں تعاون کرتا ہے، لیکن یہ معاملات حسی آثار سے زیادہ کچھ نہیں ہوتے۔ شیطان اس بزرگ کا نام استعمال کرتا ہے اور وہ اس سلسلے میں فتنہ بن جاتا ہے۔ رہی یہ بات کہ باطل اور صحیح برکات میں فرق کیسے کیا جائے، تو اس کی پہچان اس شخص کی حالت دیکھ کر ہوگی۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے متقین اولیا، سنت رسول کے متبعین اور بدعت سے دور رہنے والے افراد میں سے ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں میں ایسی خیر و برکت رکھ دیتا ہے، جو دوسروں سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس کی مثال وہ برکت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے ہاتھ پر رکھی تھی، جس سے ان کی زندگی اور بعد از وفات لوگ فیض یاب ہو رہے ہیں۔ اگر وہ شخص کتاب و سنت کا مخالف ہو یا باطل کی طرف دعوت دیتا ہو، تو اس کی برکت ایک وہی امر ہے اور بسا اوقات شیاطین اس کے باطل فعل پر معاونت کے لیے کسی امر کو رونما کرتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بعض لوگ دوسروں کے ساتھ عرفہ میں وقوف کرتے بھی پائے گئے، پھر وہ اپنے علاقے میں آکر اہل علاقہ کے ساتھ قربانی کرتے بھی پائے گئے۔“

(القول المفید علی کتاب التوحید: 1/194، 195)

✿ شیخ صالح بن عبد العزیز بن محمد بن ابراہیم آل الشیخ (ولادت: 1959ء) [موصوف اپنے والد گرامی، مفتی عرب، شیخ عبد العزیز بن محمد بن ابراہیم، شیخ عبد العزیز بن مرشد، شیخ عبد اللہ بن عقیل، شیخ عبد اللہ بن غدیان، شیخ صالح اطرم، شیخ حماد انصاری اور شیخ اسماعیل انصاری کے شاگرد ہیں] فرماتے ہیں:

وَقَالَ سُبْحَانَهُ: ﴿وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ﴾ (الصفات 37: 113)

وَقَالَ: ﴿وَجَعَلْنِي مُبَارِكًا﴾ (مريم 19: 31)، فَالَّذِي يُبَارَكُ؛ هُوَ اللَّهُ جَلَّ وَعَلَا، فَلَا يَجُوزُ لِلْمَخْلُوقِ أَنْ يَقُولَ: بَارَكْتُ عَلَى الشَّيْءِ، أَوْ أَبَارِكُ فِعْلَكُمْ، لِأَنَّ الْبَرَكَةَ وَكَثْرَةَ الْخَيْرِ وَلُزُومَهُ وَثْبَاتَهُ؛ إِنَّمَا ذَلِكَ مِنَ الَّذِي بِيَدِهِ الْأَمْرُ؛ وَهُوَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ، وَقَدْ دَلَّتِ النُّصُوصُ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ عَلَى أَنَّ الْأَشْيَاءَ الَّتِي أَحَلَّ اللَّهُ جَلَّ وَعَلَا الْبَرَكَةَ فِيهَا؛ قَدْ تَكُونُ أَمْكَنَةً أَوْ أَرْمَنَةً، وَقَدْ تَكُونُ مَخْلُوقَاتٍ آدَمِيَّةً.

فَهَذَانِ قِسْمَانِ؛ الْقِسْمُ الْأَوَّلُ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى بَارَكَ بَعْضَ الْأَمَاكِنِ كَبَيْتِ اللَّهِ الْحَرَامِ، وَحَوْلَ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ، كَمَا قَالَ سُبْحَانَهُ: ﴿الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ﴾ (الإسراء 17: 1)، وَمَعْنَى كَوْنِ الْأَرْضِ مُبَارَكَةً أَنْ يَكُونَ فِيهَا الْخَيْرُ الْكَثِيرُ اللَّازِمُ، يَعْنِي أَبَدًا، أَنْ يُتَمَسَّحَ بِأَرْضِهَا، أَوْ أَنْ يُتَمَسَّحَ بِحَيْطَانِهَا، لِأَنَّ بَرَكَتَهَا لَازِمَةٌ لَا تَنْتَقِلُ بِالذَّاتِ، يَعْنِي أَنَّكَ إِذَا لَامَسْتَ الْأَرْضَ، أَوْ دُفِنْتَ فِيهَا، أَوْ تَبَرَّكْتَ بِهَا، فَإِنَّ بَرَكَتَهَا لَا تَنْتَقِلُ إِلَيْكَ بِالذَّاتِ، وَإِنَّمَا بَرَكَتُهَا مِنْ جِهَةِ الْمَعْنَى فَقَطْ، كَذَلِكَ بَيْتُ اللَّهِ الْحَرَامُ هُوَ مُبَارَكٌ لَا مِنْ جِهَةِ ذَاتِهِ، يَعْنِي لَيْسَ كَمَا يَعْتَقِدُ الْبَعْضُ أَنَّ مَنْ تَمَسَّحَ بِهِ انْتَقَلَتْ إِلَيْهِ الْبَرَكَةُ، وَإِنَّمَا هُوَ مُبَارَكٌ مِنْ جِهَةِ الْمَعْنَى، يَعْنِي اجْتَمَعَتْ فِيهِ الْبَرَكَةُ الَّتِي جَعَلَهَا اللَّهُ فِي هَذِهِ الْبَنِيَّةِ؛ مِنْ جِهَةِ تَعَلُّقِ الْقُلُوبِ بِهَا، وَكَثْرَةِ الْخَيْرِ الَّذِي يَكُونُ لِمَنْ أَرَادَهَا وَأَتَاهَا وَطَافَ بِهَا، وَتَعَبَّدَ عِنْدَهَا،

وَكَذَلِكَ الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ؛ هُوَ حَجَرٌ مُبَارَكٌ، وَلَكِنْ بَرَكَتُهُ لِأَجْلِ
 الْعِبَادَةِ، يَعْنِي أَنَّ مَنْ اسْتَلَمَهُ تَعَبَّدًا مُطِيعًا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ فِي اسْتِلَامِهِ لَهُ، وَفِي تَقْيِيلِهِ، فَإِنَّهُ يَنَالُهُ بِهِ بَرَكَةُ الْإِتِّبَاعِ، وَقَدْ
 قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَمَّا قَبَلَ الْحَجَرَ: إِنِّي لَأَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ
 لَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ، فَقَوْلُهُ: لَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ، يَعْنِي لَا يَجْلِبُ لِمَنْ
 قَبَلَهُ شَيْئًا مِّنَ النَّفْعِ، وَلَا يَدْفَعُ عَنْ أَحَدٍ شَيْئًا مِّنَ الضَّرِّ، وَإِنَّمَا
 الْحَامِلُ عَلَى التَّقْيِيلِ مُجَرَّدُ الْإِتِّسَاءِ، تَعَبَّدًا لِلَّهِ، وَلِذَلِكَ قَالَ:
 وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبِلُكَ؛ مَا
 قَبَّلْتُكَ، فَهَذَا مَعْنَى الْبَرَكََةِ الَّتِي جُعِلَتْ فِي الْأَمْكِنَةِ، وَأَمَّا مَعْنَى
 كَوْنِ الزَّمَانِ مُبَارَكًا؛ مِثْلَ شَهْرِ رَمَضَانَ، أَوْ بَعْضِ أَيَّامِ اللَّهِ الْفَاضِلَةِ،
 فَيَعْنِي أَنَّ مَنْ تَعَبَّدَ فِيهَا، وَرَامَ الْخَيْرَ فِيهَا، فَإِنَّهُ يَنَالُ مِنْ كَثَرَةِ
 الثَّوَابِ مَا لَا يَنَالُهُ فِي غَيْرِهَا مِنَ الْأَزْمِنَةِ.

وَالْقِسْمُ الثَّانِي الْبَرَكََةُ الْمُنَوَّطَةُ بِبَنِي آدَمَ، وَهِيَ الْبَرَكََةُ الَّتِي جَعَلَهَا
 اللَّهُ جَلَّ وَعَلَا فِي الْمُؤْمِنِينَ مِنَ النَّاسِ، وَعَلَى رَأْسِهِمْ سَادَةٌ
 الْمُؤْمِنِينَ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ، فَهَؤُلَاءِ بَرَكَتُهُمْ بَرَكَةٌ ذَاتِيَّةٌ، يَعْنِي
 أَنَّ أَجْسَامَهُمْ مُبَارَكَةٌ، فَاللَّهُ جَلَّ وَعَلَا هُوَ الَّذِي جَعَلَ جَسَدَ آدَمَ
 مُبَارَكًا، وَجَعَلَ جَسَدَ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُبَارَكًا، وَجَعَلَ جَسَدَ
 نُوحٍ مُبَارَكًا، وَهَكَذَا جَسَدَ عِيسَى وَمُوسَى، عَلَيْهِمْ جَمِيعًا الصَّلَاةُ

وَالسَّلَامُ جَعَلَ أَجْسَادَهُمْ جَمِيعًا مُبَارَكَةً، بِمَعْنَى أَنَّهُ لَوْ تَبَرَّكَ أَحَدٌ
مِّنْ أَقْوَامِهِمْ بِأَجْسَادِهِمْ، إِمَّا بِالتَّمَسُّحِ بِهَا، أَوْ بِأَخْذِ عَرَقِهَا، أَوْ
التَّبَرُّكِ بِبَعْضِ أَشْعَارِهِمْ، فَهَذَا جَائِزٌ، لِأَنَّ اللَّهَ جَعَلَ أَجْسَادَهُمْ
مُبَارَكَةً بَرَكَةً مُتَعَدِّدَةً، وَهَكَذَا نَبَّيْنَا مُحَمَّدٌ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَسَدَهُ أَيْضًا جَسَدٌ مُبَارَكٌ؛ وَلِهَذَا وَرَدَ فِي السُّنَّةِ أَنَّ
الصَّحَابَةَ كَانُوا يَتَبَرَّكُونَ بِعَرَقِهِ، وَيَتَبَرَّكُونَ بِشَعْرِهِ، وَإِذَا تَوَضَّأَ
اقتتلوا على وضوئه، إلى آخر ما وردَ في ذلك، ذَلِكَ أَنَّ أَجْسَادَ
الأنبياء فيها بركة ذاتية ينتقل أثرها إلى غيرهم، وهذا مخصوص
بالأنبياء والرسل، أما غيرهم؛ فلم يرد دليل على أن من أصحاب
الأنبياء والرسل من بركتهم بركة ذاتية، حتى أفضل هذه الأمة أبو
بكرٍ وعمر، فقد جاء بالتواتر القطعي أن الصحابة والتابعين
والمُخَضَّرِمين لم يكونوا يتبرَّكون بأبي بكرٍ وعمر وعثمان
وعلي، كما كانوا يتبرَّكون بشعر النبي صلى الله عليه وسلم، أو
بوضوئه، أو بنخامته، أو بعرقه، أو بملايسه، ونحو ذلك، فعلمنا
بهذا التواتر القطعي أن بركة أبي بكرٍ وعمر إنما هي بركة عمل،
ليست بركة ذات تنتقل، كما هي بركة النبي صلى الله عليه
وسلم، ولهذا جاء في الحديث الذي رواه البخاري في صحيحه
أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ لَمَا بَرَكْتُهُ

كَبَرَكَةِ الْمُسْلِمِ، فَدَلَّ هَذَا عَلَى أَنَّ فِي كُلِّ مُسْلِمٍ بَرَكَةً، وَفِي
 الْبُخَارِيِّ أَيْضًا قَوْلُ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ: مَا هَذِهِ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ
 أَبِي بَكْرٍ، فَهَذِهِ الْبَرَكَةُ الَّتِي أُضِيفَتْ لِكُلِّ مُسْلِمٍ، وَأُضِيفَتْ لِآلِ
 أَبِي بَكْرٍ، هِيَ بَرَكَةُ عَمَلٍ، هَذِهِ الْبَرَكَةُ رَاجِعَةٌ إِلَى الْإِيمَانِ، وَإِلَى
 الْعِلْمِ، وَالذَّعْوَةِ، وَالْعَمَلِ، فَكُلُّ مُسْلِمٍ فِيهِ بَرَكَةٌ، وَهَذِهِ الْبَرَكَةُ
 لَيْسَتْ بَرَكَةُ ذَاتٍ، وَإِنَّمَا هِيَ بَرَكَةُ عَمَلٍ، وَبَرَكَةُ مَا مَعَهُ مِنَ
 الْإِسْلَامِ وَالْإِيمَانِ، وَمَا فِي قَلْبِهِ مِنَ الْإِيْقَانِ، وَالتَّعْظِيمِ لِلَّهِ جَلَّ
 وَعَلَا، وَالْإِجْلَالِ لَهُ، وَالِاتِّبَاعِ لِرَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،
 فَهَذِهِ الْبَرَكَةُ الَّتِي فِي الْعِلْمِ، أَوْ الْعَمَلِ، أَوْ الصَّلَاحِ، لَا تَنْتَقِلُ مِنْ
 شَخْصٍ إِلَى آخَرَ، وَعَلَيْهِ فَيَكُونُ مَعْنَى التَّبَرُّكِ بِأَهْلِ الصَّلَاحِ، هُوَ
 الْإِفْتِدَاءُ بِهِمْ فِي صَلَاحِهِمْ، وَالتَّبَرُّكِ بِأَهْلِ الْعِلْمِ؛ هُوَ الْآخِذُ مِنْ
 عِلْمِهِمْ وَالِاسْتِفَادَةُ مِنْهُ وَهَكَذَا، وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُتَبَرَّكَ بِهِمْ بِمَعْنَى أَنْ
 يَتَمَسَّحَ بِهِمْ، أَوْ يُتَبَرَّكَ بِرِيقِهِمْ، لِأَنَّ أَفْضَلَ الْخَلْقِ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ،
 وَهُمْ الصَّحَابَةُ، لَمْ يَفْعَلُوا ذَلِكَ مَعَ خَيْرِ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ
 وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ، وَهَذَا أَمْرٌ مَقْطُوعٌ بِهِ، فَمَعْنَى تَبَرُّكِ الْمُشْرِكِينَ
 أَنَّهُمْ كَانُوا يَرْجُونَ كَثْرَةَ الْخَيْرِ، وَدَوَامَ الْخَيْرِ، وَلَزُومَ الْخَيْرِ، وَثَبَاتَ
 الْخَيْرِ بِالتَّوَجُّهِ إِلَى الْآلِهَةِ، وَهَذِهِ الْآلِهَةُ يَكُونُ مِنْهَا الصَّنَمُ الَّذِي
 مِنَ الْحِجَارَةِ، وَالْقَبْرِ مِنَ التُّرَابِ، وَيَكُونُ مِنْهَا الْوَتْنُ وَالشَّجَرُ،

وَيَكُونُ مِنْهَا الْبَقَاعُ الْمُمْتَلِفَةُ، كَالْغَارِ أَوْ عَيْنِ مَاءٍ، أَوْ نَحْوِ ذَلِكَ،
فَهَذِهِ التَّبَرُّكَاتُ الْمُمْتَلِفَةُ جَمِيعُهَا تَبَرُّكَاتٌ شَرْكَِيَّةٌ.

”اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ﴾ (الصافات 37 :

113) (ہم نے ابراہیم اور اسحاق علیہ السلام پر برکت نازل کی) نیز فرمایا: ﴿وَجَعَلْنِي

مُبَارَكًا﴾ (مریم 19 : 31) (اور مجھے [عیسیٰ علیہ السلام] کو مبارک بنایا)۔ یعنی برکت

دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی مخلوق کے لیے یہ کہنا جائز نہیں کہ میں نے

فلاں چیز کو برکت دی ہے یا میں تمہارے کام کو مبارک کروں گا، کیونکہ

برکت، کثرتِ خیر اور لزوم و ثباتِ خیر اسی ذات کے پاس ہے، جس کے ہاتھ میں

سب معاملات ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ کتاب و سنت کی نصوص یہ بتاتی

ہیں کہ جن چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے، وہ جگہوں کی صورت میں بھی

ہیں، وقت کی صورت میں بھی ہیں اور انسانوں کی صورت میں بھی۔ اس کی دو

قسمیں ہیں: پہلی تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بعض جگہوں کو برکت دی ہے، جیسے بیت اللہ

الحرام کو اور بیت المقدس کے ماحول کو، جیسے فرمایا: ﴿الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ﴾

(الاسراء 17 : 1) (جس کے ارد گرد کو ہم نے برکت دی)۔ تو جگہ کے مبارک

ہونے سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس میں خیر کثیر ہوتی ہے، جو اس میں لازم، یعنی

ہمیشہ کے لیے ہوتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ (برکت کی نیت سے) اس

جگہ کی زمین کو چھوا جائے یا اس کی دیواروں کو مس کیا جائے، کیونکہ اس کی برکت

اس جگہ کے ساتھ لازم ہوتی ہے، بالذات منتقل نہیں ہوتی۔ اگر آپ اس جگہ کو ہاتھ

لگائیں یا اس میں دفن ہو جائیں یا اس سے تبرک حاصل کرنے کی کوشش کریں، تو

اس کی برکت آپ کی طرف بالذات منتقل نہیں ہوگی۔ اس کی برکت تو صرف معنوی ہوتی ہے۔ یوں بیت اللہ الحرام مبارک ہے، لیکن معنوی طور پر بالذات نہیں۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جو بیت اللہ کو چھوئے گا، اس کی برکت اس پر منتقل ہو جائے گی، یہ خیال درست نہیں، کیونکہ بیت اللہ معنوی طور پر مبارک ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس عمارت میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی کئی برکتیں جمع ہیں، مثلاً دل اس کے ساتھ اٹک جاتے ہیں، جو اس میں آنے کا ارادہ کرتا ہے، آتا ہے اور طواف کرتا ہے اور اس کے پاس عبادت کرتا ہے، اس کو خیر کثیر حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح حجر اسود مبارک پتھر ہے، لیکن اس کی برکت صرف عبادت کے لیے ہے، یعنی جو اس کو عبادت کے لیے اور نبی اکرم ﷺ کی پیروی میں چومتا ہے اور اس کا استلام کرتا ہے، اسے اس بنا پر اتباع کی برکت حاصل ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب حجر اسود کو چوما تو فرمایا: میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان یہ بتاتا ہے کہ جو شخص حجر اسود کو چومتا ہے، حجر اسود نہ اسے نفع کی کوئی صورت دے سکتا ہے نہ اس سے کسی نقصان والی چیز کو دور کر سکتا ہے۔ اسے چومنے کا باعث صرف اللہ کی عبادت کے لیے نبی اکرم ﷺ کی پیروی ہے۔ اسی لیے پھر انہوں نے فرمایا: اگر میں رسول اکرم ﷺ کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھتا، تو میں بھی تجھے نہ چومتا۔ جگہوں میں برکت ہونے کا یہی معنی ہے۔ اور کسی وقت، مثلاً ماہ رمضان یا دیگر فضیلت والے ایام کے مبارک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان دنوں میں عبادت کرے گا اور خیر کا ارادہ کرے گا، وہ باقی اوقات کے مقابلے میں زیادہ ثواب حاصل کرے گا۔ دوسری قسم وہ ہے جو انسانوں میں ودیعت کی ہے، یہ وہ برکت ہے جسے اللہ تعالیٰ

نے مؤمن لوگوں میں رکھ دیا ہے۔ ان لوگوں میں سرفہرست مؤمنوں کے سردار انبیا و رسل ہیں۔ انبیاء کرام کی برکت ذاتی ہوتی ہے، یعنی ان کے اجسام برکت والے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے جسم کو مبارک بنایا، ابراہیم علیہ السلام کے جسم کو مبارک بنایا، نوح علیہ السلام کے جسم کو مبارک بنایا، اسی طرح عیسیٰ و موسیٰ علیہ السلام کے اجسام کو مبارک بنایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان کے کسی امتی نے ان کے اجسام کو چھو کر یا ان کا پسینہ لے کر یا ان کے بالوں سے برکت حاصل کی، تو یہ جائز تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اجسام کو ایسی برکت نصیب فرمائی تھی، جو آگے منتقل بھی ہوتی تھی۔ اسی طرح ہمارے نبی محمد بن عبد اللہ ﷺ کا جسم بھی مبارک تھا۔ اسی لیے احادیث میں وارد ہے کہ صحابہ کرام اللہ عنہم آپ کے پسینے اور بالوں سے تبرک لیتے تھے۔ جب آپ ﷺ وضو فرماتے، تو وہ آپ کے وضو کا پانی حاصل کرنے میں باہم مقابلہ کرتے تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے دیگر تبرکات کا معاملہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انبیاء کرام کے اجسام میں برکت ذاتی تھی جس کا اثر دوسروں تک منتقل بھی ہوتا تھا۔ لیکن یہ معاملہ انبیا و رسل کے ساتھ خاص ہے۔ ان کے علاوہ انبیاء کرام کے صحابہ میں سے کسی صحابی کے بارے میں بھی یہ وارد نہیں کہ ان کی برکت ذاتی ہو۔ یہاں تک کہ امت محمدیہ ﷺ کی سب سے بزرگ ہستیاں سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں، ان کے بارے میں بھی تو اتر قطعی سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ صحابہ کرام، تابعین اور خضرین (جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا، لیکن زیارت نہ کر سکے) سیدنا ابوبکر و عمر اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم سے تبرک نہیں لیتے تھے، جبکہ نبی اکرم ﷺ کے بالوں، وضو کے پانی، تھوک، پسینے، لباس وغیرہ سے تبرک لیا جاتا تھا۔ اس تو اتر قطعی سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما

کی برکت، عمل والی برکت تھی۔ یہ ذاتی برکت نہیں تھی، جو نبی اکرم ﷺ کی برکت کی طرح دوسروں کو منتقل ہوتی ہو۔ اسی لیے صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک درخت کی برکت ایسی ہے جیسے مسلمان کی برکت ہوتی ہے۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ ہر مسلمان میں برکت ہوتی ہے۔ صحیح بخاری ہی میں سیدنا اُسید بن حذیر رضی اللہ عنہ کا یہ قول موجود ہے: (انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہونے کی وجہ سے آیت تیمم کے نزول پر فرمایا: اے آل ابوبکر! یہ کوئی تمہاری پہلی برکت نہیں۔ یہ وہی برکت ہے، جسے ہر مسلمان کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور آل ابوبکر کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے۔ یہ عمل والی برکت ہے اور یہی برکت ایمان، علم، دعوت اور عمل کی طرف لے کر جاتی ہے۔ لہذا ہر مسلمان میں برکت موجود ہوتی ہے، لیکن یہ برکت ذاتی نہیں ہوتی، بلکہ عمل کی اور مسلمان میں موجود اسلام و ایمان اور اس کے دل میں موجود یقین، اللہ تعالیٰ کی تعظیم، اس کے جلال اور اتباع رسول کی برکت ہوتی ہے۔ یہی برکت ہے جو علم، عمل اور نیکی میں ہوتی ہے، یہ ایک شخص سے دوسرے میں منتقل نہیں ہوتی۔ اسی بنا پر نیک لوگوں سے تبرک کا معنی یہ ہے کہ نیکی میں ان کی اقتدا کی جائے، اہل علم سے تبرک کا معنی یہ ہوگا کہ ان سے علم حاصل کیا جائے اور استفادہ کیا جائے۔ ان سے اس طرح تبرک لینا جائز نہیں کہ ان کو چھوا جائے یا ان کے لعاب سے برکت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، کیونکہ اس امت کی سب سے بزرگ ہستیاں صحابہ کرام ہیں، انہوں نے اس امت کی بزرگ ترین ہستیوں، سیدنا ابوبکر و عمر اور عثمان و علی رضی اللہ عنہ سے ایسا تبرک حاصل نہیں کیا اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ مشرکین کے تبرک کی یہی صورت تھی کہ وہ اپنے معبودوں کی طرف توجہ کر کے

کثرتِ خیر، دوامِ خیر اور لزوم و ثباتِ خیر کی امید کرتے تھے۔ ان کے معبودوں میں پتھر کے بت، مٹی کی قبریں، آستانے، درخت، مختلف جگہیں، جیسے غاریں، چشمنے وغیرہ شامل تھے۔ یہ سارے تبرکات شرکیہ ہیں۔“

(التمہید لشرح کتاب التوحید، ص: 124-127)

شیخ الاسلام، ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَأَمَّا قَوْلُ الْقَائِلِ: نَحْنُ فِي بَرَكَهٖ فَلَانٍ، أَوْ مِنْ وَقْتِ حُلُولِهِ عِنْدَنَا حَلَّتِ الْبَرَكَهٗ، فَهَذَا الْكَلَامُ صَحِيحٌ بِاعْتِبَارِ بَاطِلٍ بِاعْتِبَارٍ، فَأَمَّا الصَّحِيحُ: فَإِنْ يُرَادَ بِهِ أَنَّهُ هَدَانَا وَعَلَّمَنَا وَأَمَرَنَا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَانَا عَنِ الْمُنْكَرِ، فَبِبَرَكَهٖ اتِّبَاعُهُ وَطَاعَتُهُ؛ حَصَلَ لَنَا مِنَ الْخَيْرِ مَا حَصَلَ، فَهَذَا كَلَامٌ صَحِيحٌ، كَمَا كَانَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ لَمَّا قَدِمَ عَلَيْهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَرَكَتِهِ لَمَّا آمَنُوا بِهِ وَأَطَاعُوهُ، فَبِبَرَكَهٖ ذَلِكَ حَصَلَ لَهُمْ سَعَادَةُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، بَلْ كُلُّ مُؤْمِنٍ آمَنَ بِالرُّسُولِ وَأَطَاعَهُ حَصَلَ لَهُ مِنْ بَرَكَهٖ الرُّسُولِ بِسَبَبِ إِيْمَانِهِ وَطَاعَتِهِ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ مَا لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا اللَّهُ، وَأَيْضًا إِذَا أُرِيدَ بِذَلِكَ أَنَّهُ بِبَرَكَهٖ دُعَائِهِ وَصَلَاحِهِ دَفَعَ اللَّهُ الشَّرَّ وَحَصَلَ لَنَا رِزْقٌ وَنَصْرٌ، فَهَذَا حَقٌّ، كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «وَهَلْ تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلَّا بِضَعْفَائِكُمْ؛ بِدُعَائِهِمْ وَصَلَاتِهِمْ وَإِخْلَاصِهِمْ»، وَقَدْ يَدْفَعُ الْعَذَابَ عَنِ الْكُفَّارِ وَالْفَجَّارِ لَوْلَا يُصِيبَ

مِنْ بَيْنِهِمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ مِمَّنْ لَا يَسْتَحِقُّ الْعَذَابَ، وَمِنْهُ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَلَوْلَا رِجَالُ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءُ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَؤُوهُمْ فَتُصِيبَكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِّدْخَلِ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ (الفتح 48 : 25)، فَلَوْلَا الضُّعْفَاءُ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ كَانُوا بِمَكَّةَ بَيْنَ ظَهْرَانِي الْكُفَّارِ؛ عَذَّبَ اللَّهُ الْكُفَّارَ، وَكَذَلِكَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَوْلَا مَا فِي الْبُيُوتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالذَّرَارِيِّ؛ لَأَمَرْتُ بِالصَّلَاةِ، فَتَقَامُ، ثُمَّ أَنْطَلِقُ مَعِيَ بِرِجَالٍ مَّعَهُمْ حُزْمٌ مِّنْ حَطَبٍ إِلَى قَوْمٍ لَا يَشْهَدُونَ الصَّلَاةَ مَعَنَا، فَأُحْرِقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ»، وَكَذَلِكَ تَرَكَ رَجَمَ الْحَامِلِ حَتَّى تَضَعَ جَنِينَهَا، وَقَدْ قَالَ الْمَسِيحُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ﴿وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ﴾ (مريم 19 : 31)، فَبَرَكَاتُ أَوْلِيَاءِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ بِاعْتِبَارِ نَفْعِهِمْ لِلْخَلْقِ بِدُعَائِهِمْ إِلَى طَاعَةِ اللَّهِ، وَبِدُعَائِهِمْ لِلْخَلْقِ، وَبِمَا يُنْزِلُ اللَّهُ مِنَ الرَّحْمَةِ، وَيُدْفَعُ مِنَ الْعَذَابِ بِسَبَبِهِمْ؛ حَقٌّ مَوْجُودٌ، فَمَنْ أَرَادَ بِالْبَرَكَاتِ هَذَا، وَكَانَ صَادِقًا؛ فَقَوْلُهُ حَقٌّ، وَأَمَّا الْمَعْنَى الْبَاطِلُ؛ فَمِثْلُ أَنْ يُرِيدَ الْإِشْرَاكَ بِالْخَلْقِ، مِثْلُ أَنْ يَكُونَ رَجُلٌ مَّقْبُورٌ بِمَكَانٍ، فَيُظَنُّ أَنَّ اللَّهَ يَتَوَلَّاهُمْ لِأَجْلِهِ، وَإِنْ لَمْ يَقُومُوا بِطَاعَةِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، فَهَذَا جَهْلٌ،

فَقَدْ كَانَ الرَّسُولُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدَ وَلَدِ آدَمَ، مَذْفُونٌ
 بِالْمَدِينَةِ عَامَ الْحَرَّةِ، وَقَدْ أَصَابَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ مِنَ الْقَتْلِ وَالنَّهْبِ
 وَالْخَوْفِ مَا لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا اللَّهُ، وَكَانَ ذَلِكَ لِإِنَّهُمْ بَعْدَ الْخُلَفَاءِ
 الرَّاشِدِينَ أَحْدَثُوا أَعْمَالًا أَوْجَبَتْ ذَلِكَ، وَكَانَ عَلَى عَهْدِ الْخُلَفَاءِ
 يَدْفَعُ اللَّهُ عَنْهُمْ بِإِيمَانِهِمْ وَتَقْوَاهُمْ، لِأَنَّ الْخُلَفَاءَ الرَّاشِدِينَ كَانُوا
 يَدْعُونَهُمْ إِلَى ذَلِكَ، وَكَانَ بَرَكَهَ طَاعَتِهِمْ لِلْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ
 وَبَرَكَهَ عَمَلِ الْخُلَفَاءِ مَعَهُمْ؛ يَنْصُرُهُمُ اللَّهُ وَيُؤَيِّدُهُمْ، وَكَذَلِكَ
 الْخَلِيلُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَذْفُونٌ بِالشَّامِ، وَقَدْ اسْتَوْلَى
 النَّصَارَى عَلَى تِلْكَ الْبِلَادِ قَرِيبًا مِنْ مِائَةِ سَنَةٍ، وَكَانَ أَهْلُهَا فِي شَرٍّ،
 فَمَنْ ظَنَّ أَنَّ الْمَيِّتَ يَدْفَعُ عَنِ الْحَيِّ مَعَ كَوْنِ الْحَيِّ عَامِلًا
 بِمَعْصِيَةِ اللَّهِ، فَهُوَ غَالِطٌ، وَكَذَلِكَ إِذَا ظَنَّ أَنَّ بَرَكَهَ الشَّخْصِ تَعُودُ
 عَلَى مَنْ أَشْرَكَ بِهِ، وَخَرَجَ عَنْ طَاعَةِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، مِثْلُ أَنْ يَظُنَّ أَنَّ
 بَرَكَهَ السُّجُودِ لِغَيْرِهِ، وَتَقْبِيلِ الْأَرْضِ عِنْدَهُ، وَنَحْوِ ذَلِكَ يُحْصِلُ لَهُ
 السَّعَادَةَ، وَإِنْ لَمْ يَعْمَلْ بِطَاعَةِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَكَذَلِكَ إِذَا اعْتَقَدَ أَنَّ
 ذَلِكَ الشَّخْصَ يَشْفَعُ لَهُ وَيُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ بِمُجَرَّدِ مَحَبَّتِهِ وَانْتِسَابِهِ
 إِلَيْهِ؛ فَهَذِهِ الْأُمُورُ وَنَحْوُهَا مِمَّا فِيهِ مُخَالَفَةُ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، فَهُوَ
 مِنْ أَحْوَالِ الْمُشْرِكِينَ وَأَهْلِ الْبِدْعِ، بَاطِلٌ لَا يَجُوزُ اعْتِقَادُهُ وَلَا
 اعْتِمَادُهُ، وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى أَعْلَمُ.

”کسی کا یہ کہنا کہ ہم فلاں کی برکت میں ہیں یا اس کے ہمارے پاس آنے کے وقت سے ہمارے پاس برکت نازل ہونا شروع ہو گئی ہے؛ یہ کلام ایک اعتبار سے درست اور ایک اعتبار سے باطل ہے۔ صحیح اس طرح ہے کہ اس سے مراد یہ ہو؛ اس نے ہماری راہنمائی کی، ہمیں دین سکھایا، ہمیں نیکی کا حکم دیا اور برائی سے منع کیا، یوں اس کی پیروی و اطاعت کی برکت سے ہمیں یہ بھلائی حاصل ہو گئی ہے۔ یہ کلام درست ہے، جیسا کہ اہل مدینہ کے پاس نبی اکرم ﷺ تشریف لائے، جب وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ کی اطاعت کی، تو اس عمل کی برکت سے انہیں دنیا و آخرت کی سعادت حاصل ہو گئی۔ بلکہ جو شخص بھی رسول کریم ﷺ پر ایمان لاتا ہے اور آپ کی اطاعت کرتا ہے، اسے ایمان و اطاعت کی وجہ سے دنیا و آخرت کی بے انتہا بھلائی کی صورت میں آپ ﷺ کی برکت حاصل ہوگی۔ اسی طرح جب یہ مراد ہو کہ کسی شخص کی دُعا و صلاح کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے شر کو ختم کر دیا اور ہمیں رزق و نصرت حاصل ہو گئی، تو یہ بھی درست ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہاری مدد صرف تمہارے کمزوروں کی دُعا، نماز اور ان کے اخلاص کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ کبھی اللہ تعالیٰ کفار و فجار سے عذاب اس لیے ٹال دیتا ہے کہ ان کے درمیان رہنے والے مؤمنین کو یہ عذاب نہ پہنچ جائے، جو اس کے مستحق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مدعا ہے: ﴿وَلَوْلَا رِجَالُ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءُ مُؤْمِنَاتٍ لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَّوَّهُمْ فِتْصِيبَكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِّيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ (الفتح 48 : 25) (اگر ایسے

مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کو تم جانتے نہ تھے کہ اگر تم انہیں پامال کر دیتے تو تمہیں ان کی طرف سے بے خبری میں نقصان پہنچ جاتا (تو بھی تمہیں فتح ہو جاتی مگر تاخیر) اس لئے (ہوئی) کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جسے چاہے داخل کر لے۔ اور اگر دونوں فریق الگ الگ ہو جاتے تو ان میں سے کافروں کو ہم دردناک عذاب سے دوچار کرتے)۔ یعنی اگر مکہ میں کفار کے درمیان کمزور مؤمن موجود نہ ہوتے، تو اللہ تعالیٰ کفار پر عذاب نازل فرماتا۔ اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے، تو میں حکم دیتا، نماز کی اقامت کہی جاتی، پھر میں اپنے ساتھ ایسے مردوں کو لے کر، جن کے پاس لکڑیوں کے گٹھے ہوتے، ان لوگوں کی طرف چلتا جو ہمارے ساتھ نماز میں حاضر نہیں ہوتے اور میں ان کے گھروں کو جلا دیتا۔ اسی طرح آپ ﷺ (زنا کرنے والی) حاملہ عورت کو اس وقت تک رجم کرنے سے رک گئے جب تک اس نے بچے کو نہیں جن لیا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿وَجَعَلْنِي مُبَارَكًا آيْنَ مَا كُنْتُ﴾ (مریم 19 : 31) (میں جہاں بھی ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے مبارک بنایا ہے)۔ چنانچہ اولیاء اللہ کی برکات اس اعتبار سے ہوتی ہیں کہ وہ مخلوق کو اطاعتِ الہی کی طرف دعوت دیتے ہیں، ان کے لیے دُعا کرتے ہیں اور ان کے سبب اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے اور وہ عذاب سے بچتے ہیں۔ یہ صورت برحق اور موجود ہے۔ جو سچا شخص برکت سے یہ مراد لیتا ہے، اس کی بات برحق ہے۔ رہا برکت کا غلط معنی، تو وہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے، جیسے کوئی بزرگ کسی جگہ دفن ہو اور اس کے بارے میں یہ گمان کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے وہاں کے لوگوں کو دوست رکھتا ہے، اگرچہ وہ اللہ و رسول

کی اطاعت بجا نہ بھی لاتے ہوں۔ یہ اعتقاد جہالت پر مبنی ہے۔ رسول اکرم ﷺ اولادِ آدم کے سردار تھے۔ آپ ﷺ مدینہ منورہ میں دفن تھے، لیکن حادثہ حرہ کی صورت میں اہل مدینہ اس قتل و لوٹ مار اور خوف کا شکار ہوئے، جس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ یہ سانحہ اس لیے پیش آیا کہ خلفاء راشدین کے بعد اہل مدینہ نے ایسے اعمال ایجاد کر لیے تھے، جن کی بنا پر اس حادثہ کا پیش آنا ضروری ہو گیا تھا۔ خلفاء راشدین کے دور میں اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان و تقویٰ کی وجہ سے اہل مدینہ کو عذاب سے بچایا ہوا تھا، کیونکہ خلفاء لوگوں کو ایمان و تقویٰ کی طرف دعوت دیتے تھے۔ خلفاء کی اطاعت کی برکت اور خود خلفاء کے عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کی نصرت و تائید کرتا تھا۔ اسی طرح خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام میں مدفون ہیں، اس کے باوجود نصاریٰ ان علاقوں پر تقریباً سو سال تک قابض رہے ہیں اہل شام اس دوران بہت مصیبت میں تھے۔ لہذا جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ کوئی مرنے والی ہستی کسی زندہ شخص کو گناہ گار ہونے کے باوجود عذاب سے بچاتی ہے، وہ غلطی پر ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص یہ اعتقاد رکھے کہ کسی ہستی کی برکت اسے حاصل ہوتی ہے، جو اس ہستی کو اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اور اللہ و رسول کی اطاعت چھوڑ دیتا ہے، مثلاً وہ یہ سمجھ لے کہ غیر اللہ کو سجدہ، غیر اللہ کے پاس زمین کو بوسہ دینا وغیرہ سعادت کا سبب بنتا ہے، اگرچہ وہ اللہ و رسول کی اطاعت نہ بھی کرے، نیز وہ غیر اللہ اس کے لیے سفارش کرے گا اور اپنی محبت اور انتساب کی وجہ سے اسے جنت میں داخل کرائے گا، تو ایسے کتاب و سنت کے مخالف امور مشرکین و اہل بدعت کا پیشہ ہیں۔ یہ باطل امور ہیں، جن پر اعتقاد و اعتماد جائز نہیں، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔‘ (مجموع الفتاویٰ: 11/113-115)

❀ قارئین کرام! یہاں رک کر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) کا نبی

اکرم ﷺ کے متعلق اظہار عقیدت بھی ملاحظہ فرمائیں:

وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجِبُ عَلَيْنَا أَنْ نُحِبَّهُ حَتَّى يَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْنَا مِنْ أَنْفُسِنَا وَأَبَائِنَا وَأَبْنَائِنَا وَأَهْلِنَا وَأَمْوَالِنَا، وَنُعَظِّمَهُ، وَنُوقِّرَهُ، وَنُطِيعَهُ بَاطِنًا وَظَاهِرًا، وَنُوَالِي مَنْ يُوَالِيهِ، وَنُعَادِي مَنْ يُعَادِيهِ، وَنَعْلَمُ أَنَّهُ لَا طَرِيقَ إِلَى اللَّهِ إِلَّا بِمُتَابَعَتِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا يَكُونُ وَلِيًّا لِلَّهِ، بَلْ وَلَا مُؤْمِنًا وَلَا سَعِيدًا نَاجِيًا مِنَ الْعَذَابِ؛ إِلَّا مَنْ آمَنَ بِهِ، وَاتَّبَعَهُ بَاطِنًا وَظَاهِرًا، وَلَا وَسِيلَةَ يَتَوَسَّلُ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ بِهَا؛ إِلَّا الْإِيمَانُ بِهِ وَطَاعَتُهُ، وَهُوَ أَفْضَلُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ، وَخَاتَمِ النَّبِيِّينَ، وَالْمَخْصُوصُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِالشَّفَاعَةِ الْعُظْمَى الَّتِي مَيَّزَهُ اللَّهُ بِهَا عَلَى سَائِرِ النَّبِيِّينَ، صَاحِبُ الْمَقَامِ الْمَحْمُودِ، وَاللَّوَاءِ الْمَعْقُودِ لَوَاءِ الْحَمْدِ، آدَمَ فَمَنْ دُونَهُ تَحْتَ لَوَائِهِ، وَهُوَ أَوَّلُ مَنْ يَسْتَفْتَحُ بَابَ الْجَنَّةِ، فَيَقُولُ الْخَازِنُ: مَنْ أَنْتَ؟ فَيَقُولُ: أَنَا مُحَمَّدٌ، فَيَقُولُ: بِكَ أُمِرْتُ أَنْ لَا أَفْتَحَ لِأَحَدٍ قَبْلَكَ، وَقَدْ فَرَضَ عَلَى أُمَّتِهِ فَرَائِضَ، وَسَنَ لَهُمْ سُنَنًا مُسْتَحَبَّةً، فَالْحَجُّ إِلَى بَيْتِ اللَّهِ فَرَضٌ، وَالسَّفَرُ إِلَى مَسْجِدِهِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى لِلصَّلَاةِ فِيهِمَا وَالْقِرَاءَةُ وَالذِّكْرُ وَالِدُّعَاءُ وَالْإِعْتِكَافُ مُسْتَحَبٌّ بِاتِّفَاقِ الْمُسْلِمِينَ، وَإِذَا أَتَى مَسْجِدَهُ، فَإِنَّهُ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ وَيُصَلِّي عَلَيْهِ،

وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ فِي الصَّلَاةِ وَيُصَلِّي عَلَيْهِ فِيهَا .

”نبی اکرم ﷺ سے اس قدر محبت ہم پر فرض ہے کہ آپ ﷺ ہمیں ہماری جانوں، ہمارے آباؤ اجداد، ہماری اولادوں، ہمارے اہل و عیال اور ہمارے اموال سے بڑھ کر محبوب ہو جائیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر، آپ کی ظاہری و باطنی اطاعت، آپ سے محبت رکھنے والوں سے محبت اور آپ کی دشمنی کرنے والوں سے دشمنی بھی ہم پر فرض ہے۔ نیز ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ آپ ﷺ کی پیروی کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے تقرب کا کوئی راستہ نہیں۔ کوئی بندہ ولی تو کیا، مؤمن اور سعید و ناجی بھی نہیں ہو سکتا، جب تک آپ پر ایمان نہ لائے اور ظاہری و باطنی طور پر آپ ﷺ کا فرمانبردار نہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ کے تقرب کا کوئی وسیلہ آپ پر ایمان اور آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کے سوا نہیں۔ آپ ﷺ پہلوں اور بعد والوں سب سے افضل اور خاتم النبیین ہیں۔ قیامت کے دن شفاعتِ عظمیٰ بھی آپ کے ساتھ خاص ہوگی، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام انبیاء پر برتری دی ہے۔ آپ مقامِ محمود پر فائز ہوں گے اور لواءِ الحمد آپ کے ہاتھ میں ہوگا، جس کے نیچے آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کے تمام (مؤحد) لوگ ہوں گے۔ آپ ﷺ ہی سب سے پہلے وہ شخص ہوں گے، جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے تو دربان پوچھے گا: آپ کون ہیں؟ آپ ﷺ فرمائیں گے: میں محمد ہوں۔ اس پر دربان عرض کرے گا: آپ وہی وہ شخصیت ہیں جن کے بارے میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آپ کے علاوہ کسی کے لیے میں دروازہ نہ کھولوں۔ آپ ﷺ نے اپنی امت کے لیے بہت سے فرائض و مستحب سنن مقرر کی ہیں۔ مثلاً بیت اللہ کا حج فرض ہے، جبکہ مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کی طرف نماز، قراءت، ذکر، دعا اور اعتکاف

کی نیت سے سفر کرنا سب مسلمانوں کے ہاں اتفاقی طور پر مستحب ہے۔ جب کوئی مسلمان آپ ﷺ کی مسجد میں جاتا ہے، تو آپ پر درود و سلام بھیجتا ہے، نیز ہر نماز میں بھی درود و سلام کا ہدیہ پیش کرتا ہے۔“

(مجموع الفتاویٰ: 321، 320/27)

نبی اکرم ﷺ کی تعظیم و تکریم اور آپ ﷺ سے برکت حاصل کرنا کمال ایمان کی نشانی اور انتہائی محبت نبوی کا ثبوت ہے۔ جس چیز کو نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ بابرکات سے کسی قسم کا علاقہ اور واسطہ ہو، خواہ وہ آپ ﷺ کے بال مبارک ہوں، جبہ مبارک ہو، عصا مبارک ہو، نعلین شریفین ہوں، اس سے تبرک لینا مشروع اور جائز ہے۔ ان آثار کی تعظیم و تکریم درحقیقت نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ بابرکات سے محبت کا اظہار ہے۔ اس حقیقت سے کسی مسلمان کو انکار کی مجال نہیں۔

آثار سے تبرک خاصہ نبوی ہے :

خوب یاد رہے کہ آثار سے تبرک ہمارے نبی پاک ﷺ کا خاصہ ہے۔ کسی اور شخصیت کو آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی پر قیاس کر کے اس کے آثار سے تبرک کا جواز پیش کرنا کسی بھی صورت درست نہیں، کیونکہ مخلوق میں آپ ﷺ جیسا کوئی نہیں۔

اگر آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی پر کسی ولی یا صالح شخص کو قیاس کر کے اس کے آثار سے تبرک لینا جائز ہوتا، تو سلف صالحین، یعنی صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ دین ضرور ایسا کرتے، کیونکہ وہ قرآن و حدیث کے تقاضوں کو بخوبی پورا کرتے تھے اور قرآن و حدیث کے مفاہیم و معانی اور مطالب کو سب سے بڑھ کر جاننے والے تھے۔

✽ علامہ شاطبی رحمہ اللہ (م: 780ھ) فرماتے ہیں :

إِنَّ الصَّحَابَةَ بَعْدَ مَوْتِهِ لَمْ يَقَعْ مِنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ شَيْءٌ مِّنْ ذَلِكَ

بِالنِّسْبَةِ إِلَى مَنْ خَلَفَهُ، إِذْ لَمْ يَتْرُكِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بَعْدَهُ فِي الْأُمَّةِ أَفْضَلَ مِنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَهُوَ
كَانَ خَلِيفَتَهُ، وَلَمْ يُفْعَلْ بِهِ شَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ، وَلَا عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ
عَنْهُ، وَهُوَ كَانَ أَفْضَلَ الْأُمَّةِ بَعْدَهُ، ثُمَّ كَذَلِكَ عُثْمَانُ، ثُمَّ عَلِيٌّ، ثُمَّ
سَائِرُ الصَّحَابَةِ الَّذِينَ لَا أَحَدٌ أَفْضَلُ مِنْهُمْ فِي الْأُمَّةِ، ثُمَّ لَمْ يَنْبُتْ
لِوَاحِدٍ مِنْهُمْ مِّنْ طَرِيقٍ صَحِيحٍ مَّعْرُوفٍ أَنَّ مُتَبَرِّكًا تَبَرَّكَ بِهِ عَلَى
أَحَدٍ تِلْكَ الْوُجُوهُ أَوْ نَحْوَهَا، بَلِ اقْتَصَرُوا فِيهِمْ عَلَى الْإِقْتِدَاءِ
بِالْأَفْعَالِ وَالْأَقْوَالِ وَالسِّيَرِ الَّتِي اتَّبَعُوا فِيهَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ، فَهُوَ إِذَا اجْمَاعٌ مِنْهُمْ عَلَى تَرْكِ تِلْكَ الْأَشْيَاءِ .

”صحابہ کرام نے آپ کی وفات کے بعد آپ کے علاوہ کسی کے لیے یہ (تبرک)
مقرر نہ کیا، کیونکہ آپ ﷺ کے بعد امت میں سب سے افضل سیدنا ابوبکر صدیق
تھے اور آپ ﷺ کے بعد خلیفہ بھی تھے۔ ان کے ساتھ اس طرح کا کوئی معاملہ
نہیں کیا گیا۔ نہ سیدنا عمر سے کوئی اس طرح کا تبرک لیا گیا۔ وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ
کے بعد امت میں سب سے افضل تھے، پھر سیدنا عثمان وعلی رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ
کرام تھے، کسی صحابی کے بارے میں باسند صحیح ثابت نہیں کہ کسی صحابی یا تابعی
نے ان کے ساتھ تبرک والا ایسا سلسلہ جاری کیا ہو، بلکہ انہوں (دیگر صحابہ و
تابعین) نے نبی اکرم ﷺ کے اتباع پر مبنی اقوال و افعال اور طریقہ کار میں پہلوں
کی پیروی پر اکتفا کیا، لہذا یہ ان کی طرف سے تبرک بالآثار کو ترک کرنے پر اجماع

ہے۔“ (الاعتصام: 2/8، 9)

علامہ ابن رجب رحمہ اللہ (736-795ھ) لکھتے ہیں :

وَكَذَلِكَ التَّبَرُّكُ بِالْآثَارِ؛ فَإِنَّمَا كَانَ يَفْعَلُهُ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَمْ يَكُونُوا يَفْعَلُونَهُ مَعَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ، وَلَا يَفْعَلُهُ التَّابِعُونَ مَعَ الصَّحَابَةِ مَعَ عُلُوِّ قَدَرِهِمْ. ”اسی طرح آثار کے ساتھ تبرک کا معاملہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم ﷺ کے آثار کے ساتھ تبرک لیا کرتے تھے، لیکن آپس میں وہ ایسا نہیں کرتے تھے، نہ ہی تابعین کرام صحابہ کرام کے آثار کے ساتھ تبرک لیتے تھے، حالانکہ ان کی قدر و منزلت بہت بلند تھی۔“

(الحکم الجدیدة بالإذاعة من قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت بالسيف بين يدي

الساعة، ص: 55)

علامہ عبد الرحمن بن حسن رحمہ اللہ (1193-1285ھ) لکھتے ہیں :

وَأَمَّا مَا ادَّعَاهُ بَعْضُ الْمُتَأَخِّرِينَ مِنْ أَنَّهُ يَجُوزُ التَّبَرُّكُ بِآثَارِ الصَّالِحِينَ؛ فَمَمْنُوعٌ مِنْ وَجْهِهِ : مِنْهَا أَنَّ السَّابِقِينَ الْأَوَّلِينَ مِنَ الصَّحَابَةِ وَمَنْ بَعْدَهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَفْعَلُونَ ذَلِكَ مَعَ غَيْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَا فِي حَيَاتِهِ وَلَا بَعْدَ مَوْتِهِ، وَلَوْ كَانَ خَيْرًا لَسَبَقُونَا إِلَيْهِ، وَأَفْضَلُ الصَّحَابَةِ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، وَقَدْ شَهِدَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَنْ شَهِدَ لَهُ بِالْجَنَّةِ، وَمَا فَعَلَهُ أَحَدٌ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ مَعَ أَحَدٍ مِنْ هَؤُلَاءِ السَّادَةِ.

”بعض متاخرین جو صالحین کے آثار سے تبرک لینے (کے جواز) کا دعویٰ کرتے ہیں، تو یہ کئی وجہ سے ممنوع ہے؛ ایک تو اس لیے کہ سلف صالحین، صحابہ و تابعین نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی کے آثار سے تبرک نہیں لیتے تھے، نہ آپ ﷺ کی زندگی میں نہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد۔ اگر یہ نیکی کا کام ہوتا تو سلف صالحین ہم سے پہلے ضرور اس کام کو کر چکے ہوتے۔ صحابہ کرام میں سے بزرگ ترین ہستیاں، سیدنا ابو بکر و عمر اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم، جو ان صحابہ میں شامل تھے، جن کو آپ ﷺ نے جنت کی بشارت دی تھی، ان بزرگ ترین ہستیوں کے آثار سے بھی کسی نے تبرک نہیں لیا۔“ (فتح المجید شرح کتاب التوحید، ص: 142)

✽ علامہ ہند، نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ (1248-1307ھ) لکھتے ہیں:

وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُقَاسَ أَحَدٌ مِنَ الْأُمَّةِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ ذَلِكَ الَّذِي يَبْلُغُ شَأْنَهُ؟ قَدْ كَانَ لَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَالِ حَيَاتِهِ خَصَائِصُ كَثِيرَةٌ، لَا يَصْلُحُ أَنْ يُشَارِكَهُ فِيهَا غَيْرُهُ.

”امت میں کسی کو رسول اللہ ﷺ پر قیاس کرنا جائز نہیں۔ کون ہے جو آپ ﷺ کی شان کو پہنچ سکے؟ حیات مبارکہ میں آپ ﷺ کو بہت سے خصائص حاصل تھے، جن میں آپ ﷺ کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔“ (الدين الخالص: 250/2)

✽ مفتی اعظم سعودی عرب، شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ (1330-1420ھ)

فرماتے ہیں:


وَأَمَّا التَّبَرُّكُ بِشَعْرِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَرَقِهِ وَوَضُوئِهِ؛ فَلَا

حَرَاجَ فِي ذَلِكَ كَمَا تَقَدَّمَ، لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَقَرَّ الصَّحَابَةِ عَلَيْهِ، وَلَمَّا جَعَلَ اللَّهُ فِيهِ مِنَ الْبَرَكَةِ، وَهِيَ مِنَ اللَّهِ سُبْحَانَهُ، وَهَكَذَا مَا جَعَلَ اللَّهُ فِي مَاءٍ زَمَزَمَ مِنَ الْبَرَكَةِ، حَيْثُ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ زَمَزَمَ: «إِنَّهَا مُبَارَكَةٌ»، وَإِنَّهَا طَعَامٌ طَعِيمٌ وَشِفَاءٌ سَقِيمٌ»، وَالْوَاجِبُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ الْإِتْبَاعُ وَالتَّقِيدُ بِالشَّرْعِ، وَالْحَذَرُ مِنَ الْبِدْعِ الْقَوْلِيَّةِ وَالْعَمَلِيَّةِ، وَلِهَذَا لَمْ يَتَبَرَّكِ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ بِشَعْرِ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَوْ عَرَقِهِ أَوْ وَضُوئِهِ، وَلَا بِشَعْرِ عُمَرَ أَوْ عُثْمَانَ أَوْ عَلِيٍّ أَوْ عَرَقِهِمْ أَوْ وَضُوئِهِمْ، وَلَا بِعَرَقِ غَيْرِهِمْ مِنَ الصَّحَابَةِ وَشَعْرِهِمْ وَوَضُوئِهِمْ، لِعِلْمِهِمْ بِأَنَّ هَذَا أَمْرٌ خَاصٌّ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا يُقَاسُ عَلَيْهِ غَيْرُهُ فِي ذَلِكَ، وَقَدْ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (التوبة 9 : 100).

”آپ ﷺ کے بالوں، پسینے اور وضو کے پانی سے تبرک لینے میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے اس عمل پر رضامندی ظاہر فرمائی اور اس میں برکت موجود ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ برکت جو آب زمزم میں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے

اس کے بارے میں فرمایا: یہ بابرکت پانی ہے، بھوک کے لیے کھانا اور بیماری کے لیے شفا ہے۔ مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ شریعت کی پیروی و پابندی کریں اور قولی و عملی بدعات سے اجتناب کریں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بالوں، پسینے اور وضو کے پانی سے تبرک نہیں لیا، نہ سیدنا عمر، سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم اور دوسرے صحابہ کرام کے ساتھ ایسا معاملہ کیا، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ یہ تبرک نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور اس سلسلے میں کسی کو بھی آپ ﷺ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے بارے میں فرمایا: ﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (التوبة 9: 100) (جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے خوش ہو گیا اور وہ اللہ سے خوش ہو گئے اور اللہ نے ان کیلئے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہی بڑی

کامیابی ہے)۔ (مجموع فتاویٰ ابن باز: 124/9)

نیز فرماتے ہیں: 

لَا نَعْلَمُ شَيْئًا فِي هَذَا إِلَّا مَا ثَبَتَ عَنْهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ اللَّهَ جَعَلَ فِي جِسْمِهِ وَعَرْقِهِ وَمَسِّ جَسَدِهِ بَرَكَةً خَاصَّةً بِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، وَلَا يُقَاسُ عَلَيْهِ غَيْرُهُ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَغَيْرِهِمْ، وَمَا يَفْعَلُهُ

بَعْضُ النَّاسِ مِنَ التَّبَرُّكِ بِبَعْضِ النَّاسِ؛ فَهُوَ غَلَطٌ لَا وَجْهَ لَهُ، وَلَيْسَ عَلَيْهِ دَلِيلٌ، إِنَّمَا هَذَا خَاصٌّ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لِأَنَّ اللَّهَ جَعَلَ فِي عَرَقِهِ بَرَكَهً، وَفِي رَيْقِهِ وَفِي وَضْئِهِ وَفِي شَعْرِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، وَلِهَذَا وَرَعَ شَعْرَهُ بَيْنَ النَّاسِ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ، وَأَمَرَ الصَّحَابَةَ أَنْ يَأْخُذُوا مِنْ فَضْلِ وَضْئِهِ وَمِنْ عَرَقِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، لِمَا جَعَلَ اللَّهُ فِيهِ مِنَ الْبَرَكَهَةِ، وَلَا يُقَاسُ عَلَيْهِ غَيْرُهُ، وَلِهَذَا لَمْ يَتَبَرَّكِ الصَّحَابَةُ بِالصِّدِّيقِ، وَلَا بِعُمَرَ وَلَا بِعُثْمَانَ وَلَا بِعَلِيٍّ، وَهُمْ أَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ الْأَنْبِيَاءِ، فَدَلَّ ذَلِكَ عَلَى أَنَّ هَذَا خَاصٌّ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَمَّا مَا يَفْعَلُهُ بَعْضُ النَّاسِ مِنَ التَّبَرُّكِ بِبَعْضِ الْعُلَمَاءِ، أَوْ بِبَعْضِ الْعِبَادِ، أَوْ بِبَعْضِ جُذُرَانِ الْكَعْبَةِ، أَوْ بِكَسْوَةِ الْكَعْبَةِ؛ فَكُلُّ هَذَا لَا أَصْلَ لَهُ، بَلْ يَجِبُ مَنَعُهُ.

”ہمارے علم میں آثار سے تبرک کے بارے میں صرف وہی چیز ہے، جو نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے جسم، پسینے اور بدن کو چھونے میں خاص برکت رکھی تھی۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کے علاوہ دیگر علما وغیرہ کو آپ ﷺ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ بعض لوگ جو کچھ بزرگ ہستیوں کے آثار سے تبرک لیتے ہیں، وہ غلط کام ہے، جس کی کوئی وجہ جواز نہیں، نہ اس پر کوئی دلیل ہے۔ ایسا کرنا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ

کے بال، لعاب، وضو کے پانی اور بالوں میں برکت رکھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ کے بال مبارک لوگوں میں تقسیم کیے گئے، نیز آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم فرمایا کہ وہ آپ ﷺ کے وضو کے بچے ہوئے پانی اور پسینے کو لیں، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی تھی۔ اس معاملے میں کسی اور کو آپ ﷺ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آثار سے تبرک نہیں لیا، نہ سیدنا عمر، سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایسا کیا گیا، حالانکہ یہ ہستیاں انبیاء کرام کے بعد سب سے بزرگ ترین ہستیاں تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تبرک نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص تھا۔ کچھ لوگ جو بعض علما، بعض عابدوں، کعبہ کی بعض دیواروں یا غلاف کعبہ سے تبرک لیتے ہیں، اس کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ اس سے روکنا ضروری ہے۔“

(مجموع فتاویٰ ابن باز: 285/28، 286)

حجر اسود اور آثارِ صالحین سے تبرک:

✿ ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب لکھتے ہیں:

”جیسے مناسک حج ادا کرتے ہوئے حجر اسود، رکن یمانی اور مقام ابراہیم سے برکت کا حصول شرک نہیں، تو کسی پیغمبر یا ولی سے واسطہ تیمن یا واسطہ تبرک شرک کیسے ہوگا؟ اگر ایک پتھر کو واسطہ بنا لینا جائز ہو اور انبیا و اولیا کو واسطہ بنانا ناجائز اور شرک تصور کیا جائے، تو یہ حقیقی تصورِ دین کے خلاف ہے۔“

(تبرک کی شرعی حیثیت، ص: 19)

الحمد للہ! ہم نے تبرکِ مشروع اور تبرکِ ممنوع کی وضاحت کر دی ہے۔ حجر اسود کو بوسہ دینا، رکن یمانی کو چھونا اور مقام ابراہیم پر نماز ادا کرنا شرعاً جائز ہے۔ یہ سب کچھ قرآن و

حدیث کی پیروی میں کیا جاتا ہے۔ ان اعمال کا اپنا خاص موقع و محل ہے۔ طواف کے علاوہ حجرِ اسود کو بوسہ دینا اور رکنِ یمانی کو چھونا جائز نہیں، کیونکہ یہ عبادت ہے اور عبادت کا موقع و محل متعین کرنے کا اختیار صرف رسول اللہ ﷺ کو ہے۔ رہا یہ کہنا کہ حجرِ اسود کو بوسہ اس لیے دیا جاتا ہے، رکنِ یمانی کو چھوا اس لیے جاتا ہے اور مقامِ ابراہیم پر نماز کی ادائیگی اس لیے کی جاتی ہے کہ اس سے تبرک حاصل کیا جائے، تو یہ غلط فہمی ہے، جسے دُور کیا جانا ضروری ہے۔ حجرِ اسود، رکنِ یمانی اور مقامِ ابراہیم کو واسطہ تمین و تبرک بنانا صحابہ و تابعین اور ائمہ دین سے ثابت نہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حجرِ اسود کو چومتے ہوئے واضح طور پر یہ اعلان کر دیا تھا کہ اطاعتِ رسول کے علاوہ اسے چھونے کا اور کوئی مقصد نہیں، ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حجرِ اسود کے پاس آئے، اسے بوسہ دیا اور فرمایا:

«إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ، لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَلَوْ لَا أَنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبَلُكَ؛ مَا قَبَّلْتُكَ».

”بلاشبہ میں جانتا ہوں کہ تُو ایک پتھر ہے، نہ نفع دیتا ہے نہ نقصان۔ اگر میں نے نبی اکرم ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا، تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔“

(صحیح البخاری: 1597، صحیح مسلم: 1270)

کیا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کو جان کر بھی کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ حجرِ اسود کو تبرک کی نیت سے چوما جاتا ہے؟

اسلافِ امت حجرِ اسود کو بوسہ دیتے تھے، رکنِ یمانی کو چھوتے تھے اور مقامِ ابراہیم پر نماز ادا کرتے تھے، لیکن تبرک کی نیت سے نہیں، بلکہ پیرویِ رسول ﷺ کی نیت سے ایسا کرتے تھے۔ پھر یہی اسلافِ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور کے آثار سے تبرک حاصل نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ اس چیز سے قطعاً ناواقف تھے۔ رہے آثارِ رسول ﷺ، تو ان سے تبرک کا ثبوت

شریعت میں موجود ہے اور اسلاف امت اس پر عمل پیرا تھے۔

✽ علامہ محب الدین، احمد بن عبد اللہ طبری رحمہ اللہ (615-694ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّمَا قَالَ ذَلِكَ لِأَنَّ النَّاسَ كَانُوا حَدِيثِي عَهْدٍ بِعِبَادَةِ الْأَصْنَامِ، فَخَشِيَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنْ يَظُنَّ الْجُهَالُ بِأَنَّ اسْتِلاَمَ الْحَجَرِ هُوَ مِثْلُ مَا كَانَتِ الْعَرَبُ تَفْعَلُهُ، فَأَرَادَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنْ يُعْلِمَ أَنَّ اسْتِلاَمَهُ لَا يَقْصَدُ بِهِ إِلَّا تَعْظِيمُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَالْوُقُوفُ عِنْدَ أَمْرِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَنَّ ذَلِكَ مِنْ شَعَائِرِ الْحَجِّ الَّتِي أَمَرَ اللَّهُ بِتَعْظِيمِهَا، وَأَنَّ اسْتِلاَمَهُ مُخَالَفٌ لِفِعْلِ الْجَاهِلِيَّةِ فِي عِبَادَتِهِمُ الْأَصْنَامَ، لِأَنَّهُمْ كَانُوا يَعْتَقِدُونَ أَنَّهَا تُقَرِّبُهُمْ إِلَى اللَّهِ زُلْفَى، فَنبّه عُمَرُ عَلَى مُخَالَفَةِ هَذَا الْإِعْتِقَادِ، وَأَنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُعْبَدَ إِلَّا مَنْ يَمْلِكُ الضَّرَرَ وَالنَّفْعَ، وَهُوَ اللَّهُ جَلَّ جَلَالُهُ.

”سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ لوگ نئے نئے بتوں کی عبادت کو چھوڑ کر آئے تھے۔ آپ کو خدشہ ہوا کہ کہیں جاہل لوگ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ حجر اسود کو چومنے کا عمل عربوں کے (دور جاہلیت والے) عمل کی طرح ہے۔ آپ نے اس بات سے خبردار کرنا چاہا کہ ان کے حجر اسود کو چومنے کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور فرمان نبوی کی پیروی ہے، نیز یہ ان شعائر حج میں سے ہے، جن کی تعظیم کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور حجر اسود کو چومنا دور جاہلیت والی بتوں کی عبادت کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ مشرکین یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ بت ان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تنبیہ فرمائی کہ اس اعتقاد کی مخالفت کی

جائے اور یہ بتایا کہ عبادت صرف اسی کی جائز ہے، جو نفع و نقصان کا مالک ہو اور ایسی ذات صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔“

(عمدة القاري شرح صحيح البخاري للعيني: 240/9)

❁ ملا علی، قاری، حنفی، ماتریدی (م: 1014ھ) لکھتے ہیں:

وَفِيهِ إِشَارَةٌ مِنْهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِلَى أَنَّ هَذَا أَمْرٌ تَعَبُدِيٌّ، فَفَعَلُ، وَعَنْ عِلَّتِهِ لَا نَسْأَلُ.

”اس میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ حجر اسود کو چومنا ایک تعبدی (عبادت کے لیے جاری کیا گیا) حکم ہے۔ ہم اسے بجا لائیں گے، لیکن اس کی علت کے بارے میں سوال نہیں کریں گے۔“

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاة المصابيح: 213/3)

❁ علامہ، ڈاکٹر، شمس الدین، سلفی، افغانی رحمہ اللہ (1372-1420ھ) فرماتے ہیں:

دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الْحَجَرَ الْأَسْوَدَ إِذَا لَا يَنْفَعُ وَلَا يَضُرُّ، وَأَنَّ تَقْبِيلَهُ عَلَى خِلَافِ الْقِيَاسِ لِمُجَرَّدِ التَّعَبُّدِ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، لَا لِأَجْلِ التَّبَرُّكِ بِهِ، فَمَا ظَنُّكَ بِأَحْجَارِ الْقُبُورِ وَأَشْجَارِهَا؟ فَلَا يُقَاسُ عَلَيْهِ تَقْبِيلُ غَيْرِهِ مِنَ الْأَحْجَارِ وَالْأَشْجَارِ، وَفِي كَلَامِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ تَقْبِيلَ الْحَجَرِ لِأَجْلِ الْخَوْفِ وَالطَّمَعِ وَالتَّعْظِيمِ؛ فِيهِ خَوْفُ الْوُقُوعِ فِي الشِّرْكِ، فَلِهَذَا نَبَّهَ النَّاسَ بِأَنَّهُ لَا يَضُرُّ وَلَا يَنْفَعُ، وَهَذَا دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الصَّحَابَةَ كَانُوا يَهْتَمُّونَ بِأَمْرِ التَّوْحِيدِ وَحِمَايَةِ حِمَاةٍ وَسَدِّ ذَرَائِعِ الشِّرْكِ.

”سیدنا عمرؓ کا یہ فرمان اس بات کی دلیل ہے کہ حجر اسود نفع و نقصان نہیں دیتا، نیز باقی پتھروں کو چھوڑ کر اسے چومنا صرف اللہ عزوجل کی عبادت کے لیے ہے، نہ کہ اس سے برکت حاصل کرنے کی نیت سے۔ (جب حجر اسود کا یہ معاملہ ہے، تو اب) قبروں کے پتھروں اور درختوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ حجر اسود کو چومنے پر دیگر حجر و شجر کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ سیدنا عمرؓ کے کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حجر اسود کو اگر خوف، لالچ اور تعظیم کی نیت سے چوما جائے، تو اس صورت میں شرک میں واقع ہونے کا خدشہ پیدا ہو جائے گا۔ اسی لیے انہوں نے لوگوں کو اس بات کی وضاحت فرمادی کہ یہ نفع و نقصان نہیں دیتا۔ یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام توحید کے حکم، عقیدے کی حفاظت اور شرک کے اسباب کو ختم کرنے کا بہت اہتمام کرتے تھے۔“

(جہود علماء الحنفیۃ فی إبطال عقائد القبریۃ : 2/656-658)

نیز فرماتے ہیں :

إِذَا لَا يَجُوزُ تَقْبِيلُ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ، وَاسْتِلَامُهُ وَالتَّمَسُّحُ بِهِ لِأَجْلِ التَّبَرُّكِ بِهِ وَالِاسْتِشْفَاءِ بِهِ، فَكَيْفَ يَجُوزُ التَّبَرُّكُ بِالقُبُورِ، وَأَحْجَارِهَا، وَأَشْجَارِهَا، وَخَرَقِهَا، وَزُيُوتِهَا، وَشُمُوعِهَا، وَنَحْوِهَا؟ وَفِي ذَلِكَ عِبْرَةٌ لِلْقُبُورِيَّةِ عَامَّةً، وَالدُّيُونَدِيَّةِ التَّبْلِغِيَّةِ خَاصَّةً! فَلَوْ كَانَ التَّبَرُّكُ بِهَذِهِ الْأَشْيَاءِ جَائِزًا لَكَانَ الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ أَوْلَى وَأَخْرَى وَأَلْيَقَ، لِأَنَّهُ مَسَّتْهُ أَيْدِي الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ، وَالصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ، وَالْأَوْلِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ.

”جب حجر اسود کو تبرک اور شفا کے حصول کی خاطر چومنا اور چھونا جائز نہیں، تو قبروں، ان کے پتھروں، درختوں، کپڑوں، تیل، شمعوں وغیرہ سے تبرک اور شفا کا حصول کیسے جائز ہوا؟ اس میں قبر پرستوں کے لیے عموماً اور تبلیغی دیوبندیوں کے لیے خصوصاً عبرت ہے۔ اگر قبروں اور ان کے متعلقات سے تبرک جائز ہے، تو حجر اسود اس کے زیادہ لائق ہے، کیونکہ اسے انبیاء و مرسلین، صحابہ و تابعین اور اولیاء و صالحین کے ہاتھوں نے چھوا ہوا ہے۔“

(جہود علماء الحنفیۃ فی إبطال العقائد القبریّۃ: 2/652-659)

✽ شیخ محمد بن صالح، شمیم رحمہ اللہ (1347-1421ھ) فرماتے ہیں:

أَيُّ حَجَرٍ كَانَ حَتَّى الصَّخْرَةِ الَّتِي فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ، فَلَا يُتَبَرَّكُ بِهَا، وَكَذَا الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ لَا يُتَبَرَّكُ بِهِ، وَإِنَّمَا يُتَعَبَّدُ لِلَّهِ بِمَسْحِهِ وَتَقْبِيلِهِ اتِّبَاعًا لِلرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَبِذَلِكَ تَحْصُلُ بَرَكَةُ الثَّوَابِ، وَلِهَذَا قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: إِنِّي لَأَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَلَوْ لَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُكَ، مَا قَبَّلْتُكَ، فَتَقْبِيلُهُ عِبَادَةٌ مَحْضَةٌ، خِلَافًا لِلْعَامَّةِ، يَظُنُّونَ أَنَّ بِهِ بَرَكَةً حَسِيَّةً، وَلِذَلِكَ إِذَا اسْتَلَمَهُ بَعْضُ هَؤُلَاءِ، مَسَحَ عَلَى جَمِيعِ بَدَنِهِ تَبَرُّكًا بِذَلِكَ.

”کوئی بھی پتھر ہو، خواہ بیت المقدس میں موجود صخرہ ہو، اس سے تبرک نہیں لیا جا سکتا۔ یہی معاملہ حجر اسود کا ہے، اس سے بھی برکت حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اسے چھو کر اور اس کو بوسہ دے کر رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں صرف اللہ تعالیٰ کی

عبادت کی جاتی ہے، اسی سے ثواب کی صورت میں برکت حاصل ہوتی ہے۔ اسی لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: میں جانتا ہوں کہ تُو ایک پتھر ہے، تُو نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا، تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔ چنانچہ حجر اسود کو چومنا صرف ایک عبادت ہے۔ عام لوگوں کا اعتقاد اس کے خلاف ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ اس پتھر میں حسی برکت ہے، یہی وجہ ہے کہ جب وہ اسے چھوتے ہیں تو تبرک کی نیت سے اپنے سارے جسم پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔“ (القول المفید علی کتاب التوحید: 1/196)

معروف مفسر، علامہ، عبد الرحمن بن ناصر، سعدی رحمہ اللہ (1307-1376ھ) فرماتے ہیں:

فَإِنَّ الْعُلَمَاءَ اتَّفَقُوا عَلَى أَنَّهُ لَا يُشْرَعُ التَّبَرُّكُ بِشَيْءٍ مِّنَ الْأَشْجَارِ وَالْأَحْجَارِ وَالْبُقْعِ وَالْمَشَاهِدِ وَغَيْرِهَا، فَإِنَّ هَذَا التَّبَرُّكُ غُلُوٌّ فِيهَا، وَذَلِكَ يَتَدَرَّجُ بِهِ إِلَى دُعَائِهَا وَعِبَادَتِهَا، وَهَذَا هُوَ الشِّرْكُ الْأَكْبَرُ، ---، وَهَذَا عَامٌّ فِي كُلِّ شَيْءٍ، حَتَّى مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ وَحُجْرَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَخْرَةِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَغَيْرِهَا مِّنَ الْبُقْعِ الْفَاضِلَةِ، وَأَمَّا اسْتِلامُ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ وَتَقْبِيلُهُ، وَاسْتِلامُ الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ مِّنَ الْكَعْبَةِ الْمَشْرَفَةِ؛ فَهَذَا عُبُودِيَّةٌ لِلَّهِ وَتَعْظِيمٌ لِلَّهِ وَخُضُوعٌ لِعَظَمَتِهِ، فَهُوَ رُوحُ التَّعَبُّدِ، فَهَذَا تَعْظِيمٌ لِلْخَالِقِ وَتَعَبُّدٌ لَهُ، وَذَلِكَ تَعْظِيمٌ لِلْمَخْلُوقِ وَتَأَلُّهُ لَهُ، فَالْفَرْقُ بَيْنَ الْأَمْرَيْنِ كَالْفَرْقِ بَيْنَ الدُّعَاءِ لِلَّهِ الَّذِي هُوَ إِخْلَاصٌ وَتَوْحِيدٌ، وَالِدُّعَاءِ

لِلْمَخْلُوقِ الَّذِي هُوَ شِرْكٌ وَتَنْدِيدٌ.

”علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی بھی شجر و حجر اور جگہ و مقام وغیرہ سے تبرک لینا جائز نہیں، کیونکہ یہ تبرک میں غلو ہے اور یہ تبرک بالتدرج ان چیزوں کو پکارنے اور ان کی عبادت کرنے کی طرف لے جاتا ہے جو کہ شرک اکبر ہے۔ یہ اصول ہر چیز کے لیے عام ہے، حتیٰ کہ مقام ابراہیم، حجرہ نبوی، بیت المقدس کے پتھر جیسی فضیلت والی جگہوں کے لیے بھی۔ رہا حجر اسود کو چھونا اور چومنا، نیز کعبہ مشرفہ کے رکن یمانی کو چھونا، تو یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و تعظیم ہے اور اس کی عظمت کے سامنے جھک جانے کا نام ہے۔ یہی عبادت کی روح ہے۔ یہ خالق کی تعظیم و عبادت ہے، جبکہ دیگر پتھروں اور مقامات کو چھونا مخلوق کی تعظیم و عبادت ہے۔ دونوں کے درمیان فرق وہی ہے جو خالق اور مخلوق کو پکارنے کے درمیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کو پکارنا اخلاص و توحید ہے، جبکہ مخلوق کو (ما فوق الاسباب) پکارنا شرک اور ساجھی بنانا ہے۔“ (القول السدید شرح کتاب التوحید، ص: 51)

✽ دکتور، عبد اللہ بن عبد العزیز بن حماد، ابن جریر لکھتے ہیں:

فَقَوْلُ عُمَرَ هَذَا صَرِيحٌ فِي أَنَّ تَقْبِيلَ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ إِنَّمَا هُوَ اتِّبَاعٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَالْمُسْلِمُ يَفْعَلُهُ تَعَبُّدًا لِلَّهِ تَعَالَى، وَاقْتِدَاءً بِخَيْرِ الْبَرِيَّةِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَيْسَ مِنْ بَابِ التَّبَرُّكِ فِي شَيْءٍ.

”سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان اس بات میں صریح ہے کہ حجر اسود کو چومنا صرف نبی اکرم ﷺ کے اتباع کے لیے ہے۔ مسلمان صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت اور خیر

البشر ﷺ کی پیروی میں ایسا کرتا ہے۔ اس کا تبرک کے مسئلے سے کسی قسم کا کوئی

تعلق نہیں۔“ (تسهیل العقیدۃ الاسلامیۃ، ص: 311)

✽ شیخ، صالح بن عبدالعزیز، آل الشیخ فرماتے ہیں:

وَكَذَلِكَ الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ هُوَ حَجَرٌ مُبَارَكٌ، وَلَكِنَّ بَرَكَتَهُ لِأَجْلِ
الْعِبَادَةِ، يَعْنِي أَنَّ مَنْ اسْتَلَمَهُ تَعَبُّدًا مُطِيعًا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فِي اسْتِلَامِهِ لَهُ، وَفِي تَقْبِيلِهِ، فَإِنَّهُ يَنَالُهُ بِهِ بَرَكَةَ الْإِتِّبَاعِ.

”اسی طرح حجر اسود مبارک پتھر ہے، لیکن اس کی برکت عبادت کی وجہ سے ہے،
یعنی جو اسے عبادت کی نیت سے نبی اکرم ﷺ کی پیروی میں چومے گا، وہ اس
عمل کی وجہ سے اتباع کی برکت حاصل کر لے گا۔“

(التمہید فی شرح کتاب التوحید، ص: 124-125)

دیگر اشیا کو بوسہ دینے کی شرعی حیثیت :

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صرف اسی چیز کو بوسہ دینا
مشروع اور جائز ہوتا ہے، جس کے لیے شریعت اسلامیہ نے اجازت دی ہو۔ جن چیزوں کو
بوسہ دینے کی شریعت میں گنجائش نہ ہو، انہیں حجر اسود پر قیاس کرنا بدعت ہے، جیسا کہ:

✽ شارح صحیح بخاری، حافظ ابن حجر، عسقلانی رحمہ اللہ (771-852ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ شَيْخُنَا فِي شَرْحِ التِّرْمِذِيِّ : فِيهِ كَرَاهِيَةٌ تَقْبِيلِ مَا لَمْ يَرِدِ
الشَّرْعُ بِتَقْبِيلِهِ .

”ہمارے شیخ (ابوالفضل بن الحسین) جامع ترمذی کی شرح میں فرماتے ہیں: سیدنا
عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جس چیز کو چومنے کے

بارے میں شریعت کی کوئی دلیل وارد نہ ہوئی ہو، اسے چومنا مکروہ ہے۔“

(فتح الباری فی شرح صحیح البخاری: 463/3)

ایک جھوٹی روایت :

ایک روایت میں ہے کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا:

إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ، لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ.

”بلاشبہ میں جانتا ہوں کہ تُو ایک پتھر ہے۔ تُو نہ نفع دیتا ہے نہ نقصان۔“

تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

بَلَى، يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، إِنَّهُ يَضُرُّ وَيَنْفَعُ.

”کیوں نہیں، امیر المؤمنین! یہ تو نفع و نقصان دیتا ہے۔“

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم: 457/1، أخبار مَكَّةَ لِلأَزْرَقِي: 323/1، شعب

الإيمان للبيهقي: 3749)

یہ جھوٹی روایت ہے۔ اس کو گھڑنے کا ”کارنامہ“ ابو ہارون عبدی نامی، ”متروک“ و

”کذاب“ راوی نے سرانجام دیا ہے۔ اس کے بارے میں:

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَالْأَكْثَرُ عَلَى تَضْعِيفِهِ أَوْ تَرْكِهِ.

”اکثر محدثین کرام نے اسے ضعیف یا متروک قرار دیا ہے۔“

(میزان الاعتدال: 173/3)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مُضَعَّفٌ عِنْدَ الْأَئِمَّةِ.

”ائمہ محدثین کے ہاں یہ ضعیف قرار دیا گیا ہے۔“ (تفسیر ابن کثیر: 21/3)

لہذا احمد یار خاں نعمی گجراتی صاحب کا یہ کہنا بے دلیل اور باطل ہے کہ:
 ”سنگِ اسود نفع و نقصان پہنچانے والا ہے۔“ (”جاء الحق“: 375/1)

رُکنِ یمانی سے تبرک :

دورانِ طواف رکنِ یمانی کا استلام (ہاتھ سے چھونا) سنت ہے، لیکن اسے بوسہ دینا جائز نہیں، کیونکہ آپ ﷺ نے بوسہ صرف حجرِ اسود کو دیا ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کعبۃ اللہ کا طواف کیا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کعبۃ اللہ کے چاروں کونوں کو ہاتھ سے چھوتے تھے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے فرمایا: آپ کعبۃ اللہ کے (دو شامی) کونوں کو کیوں چھوتے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ تو انہیں نہیں چھوتے تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

لَيْسَ شَيْءٌ مِّنَ الْبَيْتِ مَهْجُورًا.

”بیت اللہ کی کوئی چیز بھی چھوڑنے کے قابل نہیں۔“

اس پر سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الأحزاب 21: 33)

”تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں اسوۂ حسنہ ہے۔“

یہ سن کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

صَدَقْتَ.

”آپ نے بالکل سچ کہا ہے۔“

(مسند الإمام أحمد: 217/1، شرح معانی الآثار للطحاوی: 184/2، وسندہ حسن)

اس کا راوی نضیف بن عبد الرحمن جمہور محدثین کرام کے نزدیک ”موثق، حسن الحدیث“

ہے۔ اس کے بارے میں :

✽ حافظ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) فرماتے ہیں :

وَأَمَّا قَوْلُ الْبَيْهَقِيِّ : إِنَّ خُصِيْفًا غَيْرُ قَوِيٍّ؛ فَقَدْ خَالَفَهُ فِيهِ كَثِيرُونَ
مِنَ الْحُفَاطِ وَالْأَيِّمَةِ الْمُتَقَدِّمِينَ فِي الْبَيَانِ .

”رہا امام بیہقی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ خصیف غیر قوی راوی ہے، تو اس بیان میں انہوں
نے بہت سے حفاظ اور ائمہ متقدمین کی مخالفت کی ہے۔“

(المجموع شرح المہذب : 216/7 ، الجوهر النقي للترکمانی الحنفی : 37/5 ، البدر

المنیر لابن الملّقن : 149/6)

✽ علامہ محمد بن بیر علی، برکوی، حنفی رحمہ اللہ (929-981ھ) لکھتے ہیں :

اتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلَى أَنَّهُ لَا يُسْتَلَمُ وَلَا يَقْبَلُ إِلَّا الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ، وَأَمَّا
الرُّكْنُ الْيَمَانِيُّ؛ فَالصَّحِيحُ أَنَّهُ يُسْتَلَمُ وَلَا يَقْبَلُ .

”علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ چھونا اور چومنا صرف حجر اسود کے ساتھ
خاص ہے۔ رہا رکن یمانی تو اس کے بارے میں صحیح بات یہی ہے کہ اسے چھوا

جائے گا، چومنا نہیں جائے گا۔“ (زيارة القبور، ص: 52، طبع دار الافتاء)

✽ عالم عرب کے مشہور عالم، علامہ فقیہ محمد بن صالح، شمیم رحمہ اللہ (1347-1421ھ)

فرماتے ہیں :

وَمَعَ الْأَسَفِ، إِنَّ بَعْضَ النَّاسِ اتَّخَذُوا مِنَ الْعِبَادَاتِ نَوْعًا مِّنَ
التَّبَرُّكِ فَقَطْ؛ مِثْلُ مَا يُشَاهَدُ مِنْ أَنَّ بَعْضَ النَّاسِ يَمْسَحُ الرُّكْنَ
الْيَمَانِيَّ، وَيَمْسَحُ بِهِ وَجْهَ الطِّفْلِ وَصَدْرَهُ، وَهَذَا مَعْنَاهُ أَنَّهُمْ جَعَلُوا

مَسَحَ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَّ مِنْ بَابِ التَّبَرُّكِ لَا التَّعَبُّدِ، وَهَذَا جَهْلٌ، وَقَدْ قَالَ عُمَرُ فِي الْحَجَرِ: إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُكَ؛ مَا قَبَّلْتُكَ.

”افسوس کی بات ہے کہ بعض لوگوں نے عبادت کو صرف تبرک کی ایک قسم بنا لیا ہے، جیسے دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ رکن یمانی کو چھوتے ہیں اور پھر بچوں کے چہرے اور سینے پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے رکن یمانی کو عبادت کی بجائے تبرک کے لیے چھونا شروع کر دیا ہے۔ یہ جہالت ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کے بارے میں فرمایا تھا: میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ تو نفع دیتا ہے نہ نقصان۔ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا، تو میں تجھے نہ چومتا۔“ (القول المفید علی کتاب التوحید: 181/1)

مقامِ ابراہیم سے تبرک :

طوافِ کعبہ کے بعد مقامِ ابراہیم پر دو رکعتیں ادا کی جاتی ہیں، جیسا کہ:

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ گرامی ہے:

﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ (البقرة 2 : 125)

”تم مقامِ ابراہیم کو جائے نماز بناؤ۔“

یہ نبی اکرم ﷺ کی سنت بھی ہے، جیسا کہ:

❀ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا، وَصَلَّى

خَلَفَ الْمَقَامَ رَكْعَتَيْنِ .

”نبی اکرم ﷺ تشریف لائے، بیت اللہ کے ساتھ چکر لگائے اور مقامِ ابراہیم

کے پیچھے دو رکعتیں ادا کیں۔“ (صحیح البخاری: 1627)

مقامِ ابراہیم پر دو رکعتیں ادا کرنے میں سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم

ہے اور نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے، لیکن بعض لوگوں کا اعتقاد کچھ اور ہی ہے۔ ایک صاحب یوں لکھتے ہیں:

”مقامِ ابراہیم وہ پتھر ہے، جس پر کھڑے ہو کر حضرت خلیل علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر

کی۔ ان کے قدمِ پاک کی برکت سے اس پتھر کا یہ درجہ ہوا ہے کہ دنیا بھر کے

حاجی اس کی طرف سر جھکاتے ہیں۔“

(”جاء الحق“ از احمد یار خان نعیمی بریلوی: 373/1، فتاویٰ رضویہ از احمد رضا خان بریلوی: 398/21)

یہ غلو پر مبنی بات ہے، کیونکہ صحابہ کرام و تابعین عظام اور ائمہ دین سے ایسی کوئی بات

ثابت نہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حجرِ اسود کو چومتے ہوئے یہ بات بالکل واضح کر دی تھی کہ اس

میں کوئی ذاتی برکت نہیں، لیکن احمد یار خاں بریلوی اس میں بھی ذاتی برکت کے قائل ہیں۔

یہی معاملہ انہوں نے حجرِ اسود کے ساتھ کیا ہے۔ کیا ان لوگوں کو سلف صالحین سے زیادہ علم

ہے؟ اگر مقامِ ابراہیم میں کوئی ذاتی برکت ہوتی، تو صحابہ و تابعین اور ائمہ دین ضرور اس کے

بارے میں ہمیں بتا دیتے۔

سلف صالحین نے تو مقامِ ابراہیم کو چھونے اور بوسہ دینے کو بدعت قرار دیا ہے، جیسا کہ:

حافظ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) لکھتے ہیں:

لَا يَقْبَلُ مَقَامَ إِبْرَاهِيمَ، وَلَا يَسْتَلِمُهُ، فَإِنَّهُ بَدْعَةٌ .

”کوئی مسلمان مقامِ ابراہیم کو نہ چوم سکتا ہے، نہ اسے (تبرک کی نیت سے) چھو

سکتا ہے، کیونکہ یہ بدعت ہے۔“ (الإيضاح في مناسك الحج والعمرة، ص: 392)

✽ شیخ الاسلام ثانی، عالم ربانی، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (691-751ھ) فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ أَنْكَرَ السَّلَفُ التَّمَسُّحَ بِحَجَرِ الْمَقَامِ الَّذِي أَمَرَ اللَّهُ أَنْ يُتَّخَذَ مِنْهُ مُصَلًّى .

”سلف صالحین نے اس مقام کے پتھر کو بوسہ دینے کا رد کیا ہے، جس پر نماز پڑھنے

کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔“ (إغاثة اللہفان من مصاید الشیطان: 212/1)

✽ علامہ، محمد بن بیر علی، برکوی، حنفی رحمہ اللہ (929-981ھ) بھی لکھتے ہیں:

وَلَقَدْ أَنْكَرَ السَّلَفُ التَّمَسُّحَ بِحَجَرِ الْمَقَامِ الَّذِي أَمَرَ اللَّهُ أَنْ يُتَّخَذَ مِنْهُ مُصَلًّى .

”سلف صالحین نے اس مقام کے پتھر کو بوسہ دینے کا رد کیا ہے، جس کے پاس نماز

پڑھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔“ (زیارة القبور، ص: 52، طبع دار الإفتاء)

لہذا یہ کہنا سراسر باطل ہے کہ مقام ابراہیم پر نماز اس لیے پڑھی جاتی ہے کہ وہاں موجود

پتھر پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قدم پڑے تھے۔

بعض لوگ اس طرح کی کارروائی سے انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی قبروں پر عبادت کے

لیے جواز کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں اور باور یہ کرنا چاہتے ہیں کہ انبیا و اولیا جہاں جہاں قدم

رکھیں، وہ جگہ اس درجہ مبارک ہو جاتی ہے کہ وہاں عبادت کرنا روا ہو جاتی ہے۔ یوں ان کا منشا

پورا ہو جاتا ہے۔ بت پرستی کا بنیادی سبب یہی بنا کہ پہلے پہل بزرگوں کی تصاویر بنا کر ان کی

یاد کو تازہ کیا۔ پھر قبروں سے فیض اور تبرک کی غرض سے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کے

بعد قبر پرستی میں مبتلا ہو گئے۔

سیدہ مریم علیہا السلام کے حجرہ سے تبرک!

ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب ”حجرہ مریم علیہا السلام سے حضرت زکریا علیہ السلام کا تبرک“ کے عنوان سے لکھتے ہیں:

”حضرت زکریا علیہ السلام نے جب حضرت مریم علیہا السلام کے حجرے میں بے موسم پھلوں کو دیکھا، تو اسی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هٰذَا لَكَ دَعَا ذِكْرِي رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾ (آل عمران 3: 38) [اسی جگہ زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دُعا کی، عرض کیا: میرے مولا! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔ بے شک تُو ہی دُعا کا سننے والا ہے۔]

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کا واسطہ تبرک و تیمن اور واسطہ توسل اختیار کرنا شرک نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا، تو اللہ رب العزت خصوصیت کے ساتھ قرآن میں اس کا ذکر نہ فرماتا، کیونکہ الفاظِ ربانی یوں ہیں: ﴿هٰذَا لَكَ دَعَا ذِكْرِي رَبَّهُ﴾ یعنی اسی جگہ زکریا نے اپنے رب سے دُعا کی۔ (تبرک کی شرعی حیثیت، ص: 40)

قادری صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ اس جگہ کو متبرک جان کر سیدنا زکریا علیہ السلام نے وہاں دُعا کی تھی، لیکن متقدمین ائمہ مفسرین کچھ اور ہی کہتے ہیں۔ آئیے ان سے اس آیت کی صحیح تفسیر جان کر یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ قادری صاحب کا یہ دعویٰ سچا ہے یا جھوٹا۔

مشہور تابعی، عظیم مفسر و محدث، عبد الرحمن، المعروف سدی کبیر رحمہ اللہ، (م: 127 ھ)

اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فَلَمَّا رَأَى زَكْرِيَّا مِنْ حَالِهَا ذَلِكَ، يَغْنِي فَاحِةَ الصَّيْفِ فِي الشِّتَاءِ،
وَفَاحِةَ الشِّتَاءِ فِي الصَّيْفِ؛ قَالَ: إِنَّ رَبًّا أَعْطَاهَا هَذَا فِي غَيْرِ حِينِهِ
لَقَادِرٌ عَلَيَّ أَنْ يَرْزُقَنِي ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً، وَرَغَبَ فِي الْوَلَدِ، فَقَامَ فَصَلَّى،
ثُمَّ دَعَا رَبَّهُ سِرًّا، فَقَالَ: ﴿رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ
الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا﴾ (مريم 19: 4) .

”جب سیدنا زکریا علیہ السلام نے یہ صورت حال دیکھی، یعنی گرمی میں سردی کے پھل اور
سردی میں گرمی کے پھل، تو کہنے لگے: جس رب نے بغیر موسم کے یہ پھل مہیا
کیے ہیں، یقیناً وہ مجھے بھی پاکیزہ اولاد عطا کرنے پر قادر ہے۔ یہ سوچ کر زکریا علیہ السلام
کو اولاد میں رغبت ہوئی۔ وہ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی۔ پھر اپنے رب سے
سرگوشی کرتے ہوئے دُعا کی: ﴿رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ
الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا﴾ (مريم 19: 4) (میرے
رب! بلاشبہ میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو چکا
ہے، لیکن میرے رب! میں تجھ سے دُعا کر کے محروم نہیں رہوں گا)۔

(تفسیر الطبری: 3/188-189، وسندہ حسن)

اس کے راوی موسیٰ بن ہارون ہمدانی کو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ”ثقة“ کہا ہے۔

(سؤالات الحاکم للدارقطنی: 230)

عمرہ بن حماد بن طلحہ قتاد صحیح مسلم کے راوی ہیں اور ”ثقة“ ہیں۔

اسباط بن نصر ہمدانی راوی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ”حسن الحدیث“ ہیں۔

یوں یہ سند ”حسن“ ہے۔

✽ امام تفسیر و حدیث، محمد بن جریر، طبری رحمۃ اللہ علیہ (224-310ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا قَوْلُهُ: ﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ﴾؛ فَمَعْنَاهُ: عِنْدَ ذَلِكَ أَيْ عِنْدَ رُؤْيَا زَكَرِيَّا مَا رَأَى عِنْدَ مَرِيَمَ مِنْ رِزْقِ اللَّهِ الَّذِي رَزَقَهَا، وَفَضْلِهِ الَّذِي آتَاهَا مِنْ غَيْرِ تَسَبُّبٍ أَحَدٍ مِّنَ الْآدَمِيِّينَ فِي ذَلِكَ لَهَا، وَمُعَايَنَتِهِ عِنْدَهَا الثَّمَرَةَ الرَّطْبَةَ الَّتِي لَا تَكُونُ فِي حِينِ رُؤْيَا إِيَّاهَا عِنْدَهَا فِي الْأَرْضِ؛ طَمَعَ فِي الْوَلَدِ مَعَ كِبَرِ سِنِّهِ مِنَ الْمَرْأَةِ الْعَاقِرِ، فَرَجَا أَنْ يَرْزُقَهُ اللَّهُ مِنْهَا الْوَلَدَ مَعَ الْحَالِ الَّتِي هُمَا بِهَا، كَمَا رَزَقَ مَرِيَمَ عَلَى تَخْلِيلِهَا مِنَ النَّاسِ مَا رَزَقَهَا مِنْ ثَمَرَةِ الصَّيْفِ فِي الشِّتَاءِ، وَثَمَرَةِ الشِّتَاءِ فِي الصَّيْفِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مِثْلُهُ مِمَّا جَرَتْ بِوُجُودِهِ فِي مِثْلِ ذَلِكَ الْحِينِ الْعَادَاتُ فِي الْأَرْضِ، بَلِ الْمَعْرُوفُ فِي النَّاسِ غَيْرُ ذَلِكَ، كَمَا أَنَّ وَلَادَةَ الْعَاقِرِ غَيْرُ الْأَمْرِ الْجَارِيَةِ بِهِ الْعَادَاتُ فِي النَّاسِ، فَارْغَبْ إِلَى اللَّهِ جَلَّ ثَنَاؤُهُ فِي الْوَلَدِ، وَسَأَلَهُ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً.

”اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ ﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ﴾ (اسی وقت زکریا نے اپنے رب کو پکارا)، تو اس کا معنی یہ ہے کہ جب سیدنا زکریا علیہ السلام نے سیدہ مریم علیہا السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق اور فضل دیکھا، جو انہیں بغیر کسی آدمی کے سبب سے ملا تھا، نیز یہ دیکھا کہ ان کے پاس ایسے تازہ پھل تھے، جو اس وقت زمین پر موجود نہ تھے، تو باوجود بڑھاپے اور اپنی اہلیہ کے بانجھ ہونے کے، انہیں اولاد میں

رغبت ہوئی۔ انہیں یہ امید ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کی اہلیہ کو اسی حالت میں اولاد دے گا، جیسے مریم علیہا السلام کو خلوت کے دوران گرمی میں سردیوں کے پھل اور سردی میں گرمیوں کے پھل عنایت فرمائے۔ اگرچہ یہ کام اس وقت زمین میں معمول کا نہ تھا، بلکہ یہ لوگوں کے ہاں دستور کے خلاف تھا۔ اسی طرح بانجھ عورت کا ماں بننا بھی لوگوں میں معروف نہ تھا۔ اسی لیے سیدنا زکریا علیہ السلام نے اولاد کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع فرمایا اور نیک اولاد کا سوال کیا۔“

(تفسیر الطبری: 3/188-189)

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا زکریا علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھا، تو ان میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی خواہش رکھوں۔ اس لیے انہوں نے وہیں اللہ تعالیٰ سے دُعا شروع کر دی اور اپنی دُعا کے وسیلے سے اپنی حاجت طلب کی، لیکن ڈاکٹر صاحب اسے جگہ کے تبرک اور وسیلے کی طرف لے گئے ہیں۔ سلف صالحین کے خلاف ان کی یہ تفسیر مقبول نہیں ہو سکتی۔

بعض لوگ قرآن و حدیث کو سلف صالحین کے فہم کے مطابق نہیں سمجھتے، لیکن ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر کوئی انسان قرآن و حدیث کو صحابہ کرام اور سلف صالحین کے فہم کے مطابق نہ سمجھے، تو وہ باولے کتے کی طرح آوارہ ہو جاتا ہے، اسے اپنے ہوش و حواس پر قابو نہیں رہتا اور پھر وہ کچھ بکنا شروع کر دیتا ہے جو اسے کفر و شرک کے در پر لاکھڑا کرتا ہے۔ جو لوگ فہم سلف کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے، وہ دراصل قرآن و حدیث کو اپنی باطل آرا کا تختہ مشق بنانا چاہتے ہیں۔

سیدنا موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے آثار سے تبرک:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ

مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ
إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٤٨﴾ (البقرة: 248)

”پیغمبر نے اُن سے کہا کہ اُس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس میں تمہارے رب کی طرف سے تسلی (بخشنے والی چیز) ہوگی اور کچھ اور چیزیں بھی ہوں گی، جو موسیٰ اور ہارون (ؑ) چھوڑ گئے تھے۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو یہ تمہارے لئے ایک بڑی نشانی ہے۔“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صندوق، جسے فرشتے اٹھا کر بنی اسرائیل کے پاس لائے تھے، اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نشانی تھی۔ اس قوم کے لوگ اسے ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے اور اسے دیکھ کر سکون اور راحت حاصل کرتے تھے۔ اس صندوق میں کیا تھا؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، کیونکہ یہ غیب کی بات ہے۔ قرآن و حدیث نے اس بارے میں ہماری رہنمائی نہیں کی۔ اگر اس کو جاننے میں ہمارے لیے کوئی خیر ہوتی، تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے آگاہ فرمادیتے۔

✽ احمد یار خان نعیمی بریلوی صاحب لکھتے ہیں :

”اس آیت کی تفسیر میں تفسیر خازن (1/182) و روح البیان (1/386) و تفسیر مدارک (1/205) اور جلالین (ص: 50) وغیرہم نے لکھا ہے کہ تابوت ایک شمشاد کی لکڑی کا صندوق تھا، جس میں انبیاء کی تصاویر (یہ تصاویر کسی انسان نے نہ بنائی تھیں، بلکہ قدرتی تھیں)، ان کے مکانات شریفہ کے نقشے اور حضرت موسیٰ (ؑ) کا عصا اور ان کے کپڑے اور آپ کے نعلین شریف اور حضرت ہارون (ؑ) کا عصا اور ان کا عمامہ وغیرہ تھا۔ بنی اسرائیل جب دشمن سے جنگ کرتے، تو برکت کے

لیے اس کو سامنے رکھتے تھے۔ جب خدا سے دُعا کرتے، تو اس کو سامنے رکھ کر دُعا کرتے تھے۔ بخوبی ثابت ہوا کہ بزرگان کے تبرکات سے فیض لینا ان کی عظمت کرنا طریقہ انبیاء ہے۔“

(”جاء الحق“: 370/1، بدر الأنوار في آداب الآثار مندرج في فتاوى الرضويّة: 398/2، 414)

یہ کہنا کہ اس صندوق میں تصاویر تھیں، یہ تھا، وہ تھا، بالکل بے دلیل باتیں ہیں، نیز بنی اسرائیل کا دشمن سے جنگ کرتے ہوئے اس سے برکت حاصل کرنا بھی بے ثبوت بات ہے۔ یہ معلومات کہاں سے حاصل ہوئیں؟ اس ضمن میں وہب بن منہب کا ایک قول ہے، جو کہ ثابت نہیں ہے۔

وہ قول یوں ہے:

فَكَانُوا لَا يَلْقَاهُمْ عَدُوٌّ، فَيَقْدُمُونَ التَّابُوتَ وَيَزْحَفُونَ بِهِ مَعَهُمْ؛ إِلَّا هَزَمَ اللَّهُ ذَلِكَ الْعَدُوَّ.

”بنی اسرائیل کو جب دشمن سے پالا پڑتا، تو وہ تابوت کو آگے کر دیتے اور دشمن سے دو بدولڑائی شروع کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ ضرور اس دشمن کو شکست دیتا تھا۔“

(تاریخ الطبري: 468/1)

یہ قول جھوٹا ہے، کیونکہ:

① محمد بن حمید رازی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ”غیر ثقہ“ اور ”ضعیف“ ہے۔

اسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔ (تقریب التہذیب: 5834)

② محمد بن اسحاق (حسن الحدیث) ”مدلس“ ہیں۔

③ محمد بن اسحاق کو یہ روایت بیان کرنے والا نامعلوم و ”مجہول“ ہے۔

✿ اشرف علی تھانوی، دیوبندی صاحب مذکورہ آیت کے تحت لکھتے ہیں:

”اس آیت میں اصل ہے آثارِ صالحین سے برکت حاصل کرنے کی۔“

(بیان القرآن: 145)

حالانکہ اس آیت میں تو تذکرہ سیدنا موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے آثار کا ہے، بزرگانِ دین کے تبرکات سے فیض کیسے ثابت کر لیا گیا؟ ہم تفصیل کے ساتھ یہ بات ذکر کر چکے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے آثار سے تبرک شریعت کی روشنی میں جائز و ثابت ہے، جبکہ دیگر صالحین کے آثار سے تبرک مشروع نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خیر القرون میں ایک انسان بھی اولیا و صالحین کے آثار سے تبرک حاصل نہیں کرتا تھا۔

هاتوا برهانکم ان کنتم صادقین! فان لم تفعلوا ولن تفعلوا ...

انوکھی بات :

اللہ تعالیٰ کا فرمانِ گرامی ہے :

﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (بنی اسرائیل 1: 17)

”وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک، جس کے گردا گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں، لے گئی تا کہ ہم اُسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔“

ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب اس آیت پر عنوان قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”مسجد اقصیٰ کے گرد و نواح کو انبیاء کرام کا مسکن ہونے کی وجہ سے بابرکت بنا

دیا۔“ (”تبرک کی شرعی حیثیت“، ص: 28)

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کہیں یہ بات نہیں بتائی کہ مسجد اقصیٰ کے ارد گرد کو بابرکت کیوں بنایا گیا۔

اس کی دلیل ڈاکٹر صاحب نے یوں دی ہے:

”علامہ قرطبی اور علامہ شوکانی کے قول کے مطابق بابرکت ہونے کی بڑی وجہ مزاراتِ انبیا ہیں۔“ (”تبرک کی شرعی حیثیت“، ص: 29)

یہ علامہ قرطبی اور علامہ شوکانی رحمہما اللہ پر بہتان ہے۔ دونوں شخصیات نے قطعاً ایسا نہیں کہا۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَقِيلَ: بِمَنْ دُفِنَ حَوْلَهُ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ .

”اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ برکت ارد گرد دفنِ انبیا و صالحین کی وجہ سے ہے۔“

(تفسیر القرطبی: 212/10)

یعنی علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے تو کسی مجہول انسان کی بات کو بصیغہ تمریض بیان کیا ہے۔ یہ قرآن کی تفسیر کیسے بن گئی؟

خیر القرون میں سے کوئی بھی قبورِ انبیا و صالحین سے تبرک کا قائل و فاعل نہیں تھا۔ کیا صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کو قرآنِ کریم کی یہ آیت سمجھ میں نہ آئی تھی؟ دین کو سمجھنے کے لیے سلف صالحین کا فہم ہی اسلم و احکم ہے۔

قمیصِ یوسف علیہ السلام سے تبرک:

سیدنا یوسف علیہ السلام کے قصے میں قرآنِ کریم نے ان کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں:

﴿إِذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَالْقُوهُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا﴾

(یوسف 12 : 93)

”میری یہ قمیص لے جاؤ اور اسے میرے والد کے چہرے پر ڈالو، وہ بیٹا ہو جائے گا۔“

اس کے بعد فرمانِ گرامی ہے :

﴿فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَىٰ وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا﴾ (یوسف 12 : 96)

”جب خوشخبری دینے والا آیا اور اس نے قمیص کو ان (یعقوب علیہ السلام) کے چہرے پر ڈالا، تو وہ بیٹا ہو گئے۔“

اس واقعہ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کی قمیص سے تبرک لیتے ہوئے اسے سیدنا یعقوب علیہ السلام کے چہرہ مبارک پر ڈالا گیا تھا، لہذا نیک لوگوں کے آثار سے تبرک لینا جائز ہوا۔

حالانکہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر ایسا کیا تھا اور یہ پیغمبر کا معجزہ ہے۔ پھر بھی اگر یہی اصرار کیا جائے کہ یہ قمیص کا تبرک ہی تھا، تو ہم تفصیل سے یہ بات ذکر کر چکے ہیں کہ انبیاء کرام کے آثار سے تبرک جائز و مشروع ہے، لیکن امتیوں کو انبیاء پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

سیدنا صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے کنویں سے تبرک:

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ لوگ نبی اکرم ﷺ کی معیت میں ”حجر“ کی سرزمین میں اترے، اس کے کنویں سے پانی نکالا اور اس سے آٹا گوندھا۔ نبی اکرم ﷺ نے انہیں حکم فرمایا کہ اس وادی کے کنویں سے جو پانی نکالا ہے، اسے پھینک دو اور گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلا دو۔

وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَسْتَقُوا مِنَ الْبُئْرِ الَّتِي كَانَتْ تَرُدُّهَا النَّاقَةُ.

”بیز انہیں فرمایا کہ وہ اس کنویں سے پانی لیں، جس پر سیدنا صالح علیہ السلام کی اونٹنی

پانی پیتی تھی۔“ (صحیح البخاری: 3379، صحیح مسلم: 2981)

اس سے بعض لوگ استدلال کرتے ہیں کہ سیدنا صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے پانی پینے کی وجہ سے وہ کنواں متبرک ہو گیا تھا اور آپ ﷺ نے اس سے تبرک لینے کے لیے وہاں سے پانی لینے کا حکم فرمایا تھا۔

لیکن یہ بات نہایت بے تنگی اور مردود ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی ذات خود متبرک تھی۔ آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے کسی اور نبی سے تبرک لینا بھی توہین ہے، چہ جائیکہ کسی اور نبی کی اونٹنی کے کنویں کے پانی سے تبرک لیا جائے۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ منحوس وادی عذاب الہی کا شکار ہو گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس کے پانی پر بھی اس کا اثر ہوا تھا، جو صحت کے لیے نقصان دہ تھا۔ البتہ جس کنویں سے سیدنا صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی، اس کا معاملہ مختلف تھا۔

✽ شارح صحیح بخاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) لکھتے ہیں:

وَفِي الْحَدِيثِ كَرَاهِيَةُ الْإِسْتِسْقَاءِ مِنْ بَيَارِ ثَمُودَ، وَبَلَّتْ حَقُّ بِهَا نَظَائِرُهَا مِنَ الْآبَارِ وَالْعُيُونِ الَّتِي كَانَتْ لِمَنْ هَلَكَ بِتَعَذُّبِ اللَّهِ تَعَالَى عَلَى كُفْرِهِ.

”اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم ثمود کے کنوؤں سے پانی پینا مکروہ ہے۔ وہ کنویں اور چشمے بھی اسی حکم میں ہیں، جن کا تعلق ان لوگوں سے تھا، جو اپنے کفر پر

اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔“ (فتح الباری: 380/6)

یعنی اس معاملے کا تعلق تبرک سے ہے ہی نہیں۔ یہ خیال کرنا کہ وہ پانی مبارک تھا، کیونکہ

صالح علیہ السلام کی اوٹنی وہ پانی پیتی تھی، بلا دلیل ہے اور کسی کی بلا دلیل بات قابل قبول نہیں ہوتی۔
 لہذا علامہ نووی (شرح صحیح مسلم : 112/18) اور علامہ قرطبی (الجامع لاحکام القرآن : 47/10) کی طرف مذکورہ حدیث سے صالحین کے آثار سے تبرک لینے کے جواز کا استدلال درست نہیں۔

حیاتِ مبارکہ کے ساتھ خاص تبرک :

یہاں یہ بھی ذہن نشین رہے کہ تبرک کی کئی صورتیں نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ تک محدود تھیں، جیسا کہ آپ ﷺ کے جسدِ اقدس، دستِ مبارک، آپ ﷺ کے بچے ہوئے پانی، پسینہ مبارک، لعابِ دہن، ناخن مبارک، وغیرہ سے تبرک آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ تک ہی ہو سکتا تھا۔

بعد از وفات نبی اکرم ﷺ سے تبرک :

بعد از وفات نبی اکرم ﷺ سے تبرک کی دو صورتیں ہی باقی رہ گئی ہیں :

① آپ ﷺ پر ایمان لانا اور آپ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کر کے خیر کثیر، اجر عظیم اور سعادتِ دارین حاصل کرنا، جیسا کہ :

❁ شیخ الاسلام والمسلمین، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں :

كَانَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ لَمَّا قَدِمَ عَلَيْهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَرَكَتِهِ لَمَّا آمَنُوا بِهِ وَأَطَاعُوهُ؛ فَبِرَكَّةِ ذَلِكَ حَصَلَ لَهُمْ سَعَادَةُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، بَلْ كُلُّ مُؤْمِنٍ آمَنَ بِالرَّسُولِ وَأَطَاعَهُ حَصَلَ لَهُ مِنْ بَرَكَةِ الرَّسُولِ بِسَبَبِ إِيْمَانِهِ وَطَاعَتِهِ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ مَا لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا اللَّهُ .

”جب اہل مدینہ کے پاس نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور وہ آپ ﷺ پر ایمان لا کر مطیع و فرمانبردار بن گئے، تو اس کی برکت سے انہیں دنیا و آخرت کی سعادت نصیب ہوئی، بلکہ جو بھی شخص رسول کریم ﷺ کی ذاتِ بابرکات پر ایمان لاتا ہے اور آپ کی اطاعت کرتا ہے، اسے اس ایمان و اطاعت کے سبب رسول اللہ ﷺ کی برکت دنیا و آخرت کی ان بھلائوں کی صورت میں نصیب ہوتی ہے، جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“ (مجموع الفتاویٰ: 113/11)

② آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ سے تبرک کی دوسری صورت آپ ﷺ کے آثارِ مبارکہ، جیسے عصا مبارکہ، ہال مبارکہ، نعلین شریفین، جبہ مبارکہ وغیرہ سے تبرک کا حصول تھی۔

تبرک کی اقسام

مشروعیت کے اعتبار سے تبرک کی دو قسمیں ہیں:

① تبرکِ مشروع (جائز تبرک)

② تبرکِ ممنوع (ناجائز تبرک)

آئیے اب دونوں قسموں کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں؛

تبرکِ مشروع :

تبرک امورِ توقیفی میں سے ہے، یعنی اس کا تعلق ان چیزوں سے ہے، جن کا تعین شریعت نے خود کیا ہے۔ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ شریعت کی معتبر دلیل کے بغیر کسی چیز کو تبرک قرار دے۔ لہذا وہی تبرک جائز اور مشروع ہوگا، جس کا جواز شریعت سے ثابت ہوگا، جیسا کہ صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین و ائمہ دین نے آثارِ نبوی سے تبرک حاصل کیا۔ یہ ان کی نبی

اکرم ﷺ سے کمال محبت کی دلیل ہے اور اسلاف امت کی اس رَوش کی پیروی لازم ہے۔
یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کیا پگڑی شریف وغیرہ صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین
کے دور میں موجود تھیں اور کیا اسلاف امت کا ان سے تبرک لینا ثابت ہے؟ اگر اس دور میں
بھی ان چیزوں کا کوئی وجود نہیں تھا، تو اتنی صدیوں بعد یہ کہاں سے دریافت ہو گئیں؟

تبرک ممنوع :

جو تبرک شرعی دلائل سے ثابت ہے، وہ جائز ہے، اس کے علاوہ باقی ہر قسم کا تبرک ممنوع و
ناجائز اور حرام ہے۔ ممنوع تبرک کی پھر دو قسمیں ہیں :

① شرکی تبرک ② بدعی تبرک

① شرکی تبرک :

ایسا تبرک جس سے شرک لازم آئے۔ اس کی پھر دو قسمیں بنتی ہیں :

۱۔ ایک وہ جس میں کسی چیز کے بارے میں یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اس کی برکت
ذاتی ہے اور یہ سمجھا جائے کہ وہ از خود مافوق الاسباب خیر و برکت عطا کرنے پر قدرت رکھتی
ہے۔ ایسا اعتقاد چونکہ عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت شرک ہے۔

۲۔ شرکی تبرک کی دوسری قسم یہ ہے کہ حصول برکت کی نیت سے اولیا و صالحین اور
ان کی قبروں، مزاروں اور آستانوں پر جانور ذبح کرنا یا ان کے نام کی منتیں ماننا تاکہ ان کی
برکت نصیب ہو جائے یا وہ خوش ہو کر دُعا اور سفارش کریں یا قبر پر اعتکاف اور طواف سے
تبرک حاصل کرنا۔ یہ بھی غیر اللہ کی عبادت ہونے کی بنا پر شرک میں داخل ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے :

﴿فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾ ﴿الجن 72﴾ (18)

”تم اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔“

✽ علامہ، ابراہیم بن موسیٰ، شاطبی رحمہ اللہ (م: 790ھ) لکھتے ہیں:

وَالْآيَاتُ الَّتِي قَرَّرَ فِيهَا حَالَ الْمُشْرِكِينَ فِي إِشْرَاكِهِمْ أَتَى فِيهَا بِذِكْرِ الضَّلَالِ، لِأَنَّ حَقِيقَتَهُ أَنَّهُ خُرُوجٌ عَنِ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ، لِأَنَّهُمْ وَضَعُوا آلِهَتَهُمْ لِقُرْبِهِمْ إِلَى اللَّهِ زُلْفَى فِي زَعْمِهِمْ، فَقَالُوا: ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ (الزمر 39 : 3)، فَوَضَعُوهُمْ مَوْضِعَ مَنْ يُتَوَسَّلُ بِهِ حَتَّى عَبَدُوهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ، إِذْ كَانَ أَوَّلَ وَضْعِهَا فِيمَا ذَكَرَ الْعُلَمَاءُ صُورًا لِقَوْمٍ يُوَدُّونَهُمْ وَيَتَّبِعُونَ بِهِمْ، ثُمَّ عُبِدَتْ، فَأَخَذَتْهَا الْعَرَبُ مِنْ غَيْرِهَا عَلَى ذَلِكَ الْقَصْدِ، وَهُوَ الضَّلَالُ الْمُبِينُ.

”جن آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے شرک کا حال بیان فرمایا ہے، ان میں گمراہی کا ذکر کیا ہے، کیونکہ حقیقت میں یہ صراطِ مستقیم سے بھٹک جاتا ہے۔ مشرکین نے (بتوں کی صورت میں) اپنے معبود اس لیے گھڑے تھے کہ وہ ان کے خیال میں انہیں اللہ کے قریب کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے کہا: ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ (الزمر 39 : 3) (ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ مرتبے میں ہمیں اللہ کے قریب کر دیں)۔ یوں انہوں نے انہیں تقربِ الہی کا وسیلہ بنایا تھا، لیکن ایک وقت آیا کہ ان کی عبادت کرنے لگے۔ علماء کرام نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے آغاز میں ان لوگوں کی تصویریں بنائیں جن سے وہ محبت کرتے تھے اور تبرک حاصل کرتے تھے، پھر ان کی پوجا کی جانے لگی۔ عربوں نے بھی اسی نیت سے غیروں سے یہ فعل لے لیا،

لیکن یہ واضح گمراہی ہے۔“ (الاعتصام: 1/182، ت: الہلالی)

✽ شیخ الاسلام، احمد بن عبد الحکیم، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَأَمَّا الشَّجَارُ وَالْأَحْجَارُ وَالْعُيُونُ وَنَحْوُهَا، مِمَّا يَنْذِرُ لَهَا بَعْضُ الْعَامَّةِ، أَوْ يُعَلِّقُونَ بِهَا خِرْقًا، أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ، أَوْ يَأْخُذُونَ وَرَقَهَا يَتَبَرَّكُونَ بِهِ، أَوْ يُصَلُّونَ عِنْدَهَا، أَوْ نَحْوَ ذَلِكَ، فَهَذَا كُلُّهُ مِنَ الْبِدْعِ الْمُنْكَرَةِ، وَهُوَ مِنْ عَمَلِ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ، وَمِنْ أَسْبَابِ الشِّرْكِ بِاللَّهِ تَعَالَى .

”درخت، پتھر اور چشمے وغیرہ، جن کے لیے کچھ لوگ نذریں مانتے ہیں یا ان کے ساتھ کپڑوں کے ٹکڑے وغیرہ باندھتے ہیں یا ان کے پتے تبرک کے لیے لیتے ہیں یا ان کے پاس نماز وغیرہ پڑھتے ہیں، یہ سب کام منکر بدعات اور جاہلیت والے اعمال اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کے اسباب میں سے ہیں۔“

(مجموع الفتاویٰ: 27/136، 137)

✽ شاہ ولی اللہ دہلوی حنفی رحمہ اللہ (1114-1176ھ) لکھتے ہیں:

كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَقْضِدُونَ مَوَاضِعَ مُعْظَمَةِ بَزْعِمِهِمْ يَزُورُونَهَا، وَيَتَبَرَّكُونَ بِهَا، وَفِيهِ مِنَ التَّحْرِيفِ وَالْفَسَادِ مَا لَا يَخْفَى، فَسَدَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفَسَادَ لئَلَّا يَلْتَحِقَ غَيْرُ الشَّعَائِرِ بِالشَّعَائِرِ، وَلئَلَّا يَصِيرَ ذَرِيعَةً لِعِبَادَةِ غَيْرِ اللَّهِ، وَالْحَقُّ عِنْدِي أَنَّ الْقَبْرَ وَمَحَلَّ عِبَادَةِ وَلِيِّ مَنْ أَوْلِيَائِهِ اللَّهُ وَالطُّورُ كُلُّ ذَلِكَ سَوَاءٌ فِي النَّهْيِ .

”زمانہ جاہلیت میں لوگ ایسے مقامات کی زیارت کے لیے جاتے تھے جو ان کے خیال میں قابل احترام ہوتے تھے، وہ ان سے برکت حاصل کرتے تھے۔ اس عمل

میں چونکہ واضح طور پر تحریف اور فساد موجود تھا، اس لئے نبی اکرم ﷺ نے بگاڑ کے اس دروازے کو بند کر دیا تاکہ جو چیزیں شعائرِ اسلام میں شامل نہیں، وہ شعائر میں شامل نہ ہو جائیں اور غیر اللہ کی عبادت کا ذریعہ نہ بن جائیں۔ میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ قبر، کسی ولی کی عبادت گاہ، حتیٰ کہ کوہ طور سب اس (حکم ممانعت) میں برابر ہیں (ان سب کی طرف تقرب و تبرک کی نیت سے سفر ممنوع ہے)۔“

(حجۃ اللہ البالغۃ، من أبواب الصلاة: 1/192)



معروف عرب عالم، عبد الرحمن بن ناصر، سعدی رحمہ اللہ (1303-1376ھ) لکھتے ہیں:

فَإِنَّ ذَلِكَ مِنَ الشِّرْكِ وَمِنْ أَعْمَالِ الْمُشْرِكِينَ، فَإِنَّ الْعُلَمَاءَ انْفَقَوْا عَلَى أَنَّهُ لَا يُشْرَعُ التَّبَرُّكُ بِشَيْءٍ مِّنَ الْأَشْجَارِ وَالْأَحْجَارِ وَالْبُقَعِ وَالْمَشَاهِدِ وَغَيْرِهَا، فَإِنَّ هَذَا التَّبَرُّكُ غُلُوٌّ فِيهَا، وَذَلِكَ يَتَدَرَّجُ بِهِ إِلَى دُعَائِهَا وَعِبَادَتِهَا، وَهَذَا هُوَ الشِّرْكَ الْأَكْبَرُ، كَمَا تَقَدَّمَ انْطَبَاقُ الْحَدِّ عَلَيْهِ، وَهَذَا عَامٌّ فِي كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ وَحُجْرَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَخْرَةِ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ وَغَيْرِهَا مِّنَ الْبُقَعِ الْفَاضِلَةِ، وَأَمَّا اسْتِلَامُ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ وَتَقْيِيلُهُ، وَاسْتِلَامُ الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ مِنَ الْكَعْبَةِ الْمُشْرِفَةِ، فَهَذَا عُبُودِيَّةٌ لِلَّهِ، وَتَعْظِيمٌ لِلَّهِ، وَخُضُوعٌ لِعَظَمَتِهِ، فَهُوَ رُوحُ التَّعَبُّدِ، فَهَذَا تَعْظِيمٌ لِلْخَالِقِ وَتَعَبُّدٌ لَهُ، وَذَلِكَ تَعْظِيمٌ لِلْمَخْلُوقِ وَتَأَلُّهُ لَهُ، فَالْفَرْقُ بَيْنَ الْأَمْرَيْنِ كَالْفَرْقِ بَيْنَ الدُّعَاءِ لِلَّهِ الَّذِي هُوَ إِخْلَاصٌ وَتَوْحِيدٌ، وَالِدُّعَاءِ

لِلْمَخْلُوقِ الَّذِي هُوَ شِرْكٌ وَتَنْدِيدٌ.

”یہ اعمال شرک ہیں اور مشرکین کے اعمال ہیں، کیونکہ علماء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ شجر و حجر اور مزارات وغیرہ میں سے کسی بھی چیز سے تبرک لینا جائز نہیں۔ یہ تبرک غلو پر مبنی ہے اور یہ عمل بتدریج دعا اور عبادت کی طرف لے جاتا ہے، جو کہ شرک اکبر ہے۔ سابقہ سطور میں اسے شرک اکبر قرار دینے پر بات ہو چکی ہے۔ یہ قاعدہ ہر چیز کے لیے عام ہے، حتیٰ کہ مقام ابراہیم، حجرہ نبوی اور بیت المقدس وغیرہ جیسی فضیلت والی جگہیں بھی اس میں شامل ہیں۔ رہا حجر اسود کا استلام اور اس کو چومنا اور کعبہ شریف کے رکن یمانی کا استلام، تو یہ اللہ کی عبادت، اس کی تعظیم اور اس کی عظمت کے آگے جھکنا ہے۔ یہی عبادت کی روح ہوتی ہے۔ یہ خالق کی تعظیم اور عبادت ہے، جبکہ اشجار و اجار اور مزارات سے تبرک لینا مخلوق کی تعظیم و عبادت ہے۔ ان دونوں میں وہی فرق ہے، جو اللہ اور مخلوق کو پکارنے میں ہے۔ اللہ کو پکارنا اخلاص اور توحید ہے، جبکہ مخلوق کو (ما فوق الاسباب) پکارنا شرک اور ساجھی بنانا ہے۔“ (القول السدید شرح کتاب التوحید، ص: 50)

ایک دلیل :

منوع تبرک کے شرک میں داخل ہونے کی ایک دلیل ملاحظہ فرمائیں :

سیدنا ابو واقد، حارث بن عوف، لیشی رضی اللہ عنہ (م: 68ھ) بیان کرتے ہیں :

لَمَّا افْتَتَحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ؛ خَرَجَ بِنَا مَعَهُ قَبْلَ هَوَازِنَ، حَتَّى مَرَرْنَا عَلَى سِدْرَةِ الْكُفَّارِ، سِدْرَةٌ يَعْكِفُونَ حَوْلَهَا وَيَدْعُونَهَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ، قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ

كَمَا لَهُمْ ذَاتُ أَنْوَاطٍ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اللَّهُ أَكْبَرُ، إِنَّهَا السُّنَنُ، هَذَا كَمَا قَالَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ لِمُوسَى: ﴿اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ﴾ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ» ﴿الأعراف: 138﴾، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّكُمْ لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ».

”جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا، تو ہمارے ساتھ ہوازن کی طرف تشریف لے گئے۔ ہم کفار کی اس بیری کے پاس سے گزرے، جس کے گرد وہ قیام کرتے تھے اور اسے ذاتِ انواط کا نام دیتے تھے۔ ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہمارے لیے بھی ان کی طرح کا کوئی ذاتِ انواط مقرر کر دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر! یہ تو بنی اسرائیل کے نقش قدم کی پیروی ہے۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: ﴿اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ﴾ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿الأعراف: 138﴾ (ہمارے لیے بھی الہ مقرر کر دیجیے جس طرح ان [مشرکین] کے الہ ہیں۔ موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم جاہل قوم ہو)۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے نقش قدم پر چلو گے۔“

(مسند الإمام أحمد: 21897، 21900، سنن الترمذی: 2180، وسنده صحيح)

اس حدیث کو امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے ”حسن صحیح“ اور امام ابن حبان رضی اللہ عنہ (6702) نے ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

✽ علامہ طرطوشی (451-520ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فَانْظُرُوا - رَحِمَكُمُ اللَّهُ - اَيْنَمَا وَجَدْتُمْ سِدْرَةً اَوْ شَجَرَةً يَقْصِدُهَا النَّاسُ، وَيَعْظُمُونَ مِنْ شَأْنِهَا، وَيَرْجُونَ الْبَرَّ وَالشِّفَاءَ مِنْ قِبَلِهَا، وَيَنْوُطُونَ بِهَا الْمَسَامِيرَ وَالْخِرَقَ؛ فَهِيَ ذَاتُ اَنْوَاطٍ، فَاقْطَعُوهَا .

”اللہ آپ پر رحم کرے، آپ جہاں بھی ایسی پیری یا کوئی درخت دیکھیں، جس کی زیارت کے لیے لوگ آتے ہوں، اس کی تعظیم کرتے ہوں، اس سے شفا یابی کی امید رکھتے ہوں اور اس کے ساتھ کیل اور کپڑے وغیرہ لٹکاتے ہوں، تو وہ ذاتِ انواط ہے، اسے کاٹ دیں۔“ (الحوادث والبدع، ص: 39)

✽ علامہ ابوشامہ رحمہ اللہ (599-655ھ) لکھتے ہیں:

وَمِنْ هَذَا الْقِسْمِ اَيْضًا مَا قَدْ عَمَّ الْاِبْتِلَاءُ بِهِ؛ مِنْ تَزْيِينِ الشَّيْطَانِ لِلْعَامَّةِ تَخْلِيقَ الْحَيْطَانِ وَالْعُمْدِ وَسَرَحَ مَوَاضِعَ مَخْصُوصَةٍ فِي كُلِّ بَلَدٍ، يَحْكِي لَهُمْ حَالِكٌ اَنَّهُ رَاى فِي مَنَامِهِ بِهَا اَحَدًا مِمَّنْ اَشْتَهَرَ بِالصَّلَاحِ وَالْوِلَايَةِ، فَيَفْعَلُونَ ذَلِكَ، وَيَحَافِظُونَ عَلَيْهِ مَعَ تَضْيِيعِهِمْ فَرَائِضَ اللَّهِ تَعَالَى وَسُنَنَهُ، وَيَطْنُونَ اَنَّهُمْ مُتَقَرَّبُونَ بِذَلِكَ، ثُمَّ يَتَجَاوَزُونَ هَذَا اِلَى اَنَّ يُعْظَمَ وَقَعَ تِلْكَ الْاَمَاكِنِ فِي قُلُوبِهِمْ، فَيَعْظُمُونَهَا، وَيَرْجُونَ الشِّفَاءَ لِمَرْضَاهُمْ، وَقَضَاءَ حَوَائِجِهِمْ بِالنَّذْرِ لَهُمْ، وَهِيَ مِنْ بَيْنِ عِيُونٍ وَشَجَرٍ وَحَائِطٍ وَحَجَرٍ .

”اسی قبیل سے وہ خرافات ہیں، جس میں بہت سے لوگ مبتلا ہو چکے ہیں۔ شیطان عوام کو آمادہ کرتا ہے کہ وہ دیواریں اور مینار بنائیں، نیز ہر علاقے میں

مخصوص جگہوں پر عمارتیں کھڑیں کریں۔ ایک بیان کرنے والا بیان کرتا ہے کہ اس نے اپنے خواب میں فلاں مشہور نیک ولی کو دیکھا ہے، اس پر لوگ قبوں کی تعمیر شروع کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرائض و سنن کو ضائع کر کے ان کی حفاظت کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ اس کام کے ذریعے اللہ کا تقرب حاصل کر رہے ہیں۔ پھر وہ اس سے آگے بڑھتے ہیں اور شیطان ان کے دلوں میں ان جگہوں کی تعظیم بٹھا دیتا ہے اور وہ ان کی تعظیم شروع کر دیتے ہیں، نیز وہ ان جگہوں پر نذر مان کر اپنے مریضوں کی شفا اور اپنی ضرورتوں کے پورا ہونے کی امید رکھنے لگتے ہیں۔ یہ جگہیں چشموں، درختوں، دیواروں اور پتھروں کے درمیان ہیں۔“

(الباعث علی إنکار البدع والحوادث، ص: 25، 26)

❀ شیخ الاسلام، ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

فَأَنكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُجَرَّدَ مُشَابَهَتِهِمْ لِلْكَفَّارِ فِي اتِّخَاذِ شَجَرَةٍ يَعْكُفُونَ عَلَيْهَا، مُعَلِّقِينَ عَلَيْهَا سِلَاحَهُمْ، فَكَيْفَ بِمَا هُوَ أَعْظَمُ مِنْ ذَلِكَ مِنْ مُشَابَهَتِهِمْ الْمُشْرِكِينَ، أَوْ هُوَ الشِّرْكُ بَعِيْنُهُ؟

”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کے ساتھ محض اس مشابہت پر سختی سے رد فرمایا کہ ایک درخت مقرر کیا جائے، جس کے ارد گرد وہ بیٹھا کریں اور اس پر اپنا اسلحہ لٹکائیں۔ ایسی صورت میں وہ کام کیسے جائز ہو سکتا ہے، جو اس سے بڑھ کر مشرکین سے مشابہت کا باعث ہو یا بعینہ مشرک ہو؟“

(اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفة أصحاب الجحیم: 158/2)

❀ علامہ، محمد بن صالح، عثیمین رحمۃ اللہ علیہ (1347-1421ھ) فرماتے ہیں:

فَهَؤُلَاءِ طَلَبُوا سِدْرَةَ يَتَبَرَّكُونَ بِهَا كَمَا يَتَبَرَّكُ الْمُشْرِكُونَ بِهَا،
وَأُولَئِكَ طَلَبُوا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ، فَيَكُونُ فِي كِلَا الطَّلَبَيْنِ مُنَافَاةٌ
لِلتَّوْحِيدِ، لِأَنَّ التَّبَرُّكَ بِالشَّجَرِ نَوْعٌ مِنَ الشِّرْكِ، وَاتِّخَاذُهُ إِلَهًا شِرْكٌ
وَاضِحٌ.

”صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ ان کے لیے بیری کا ایک درخت
ہونا چاہیے جس سے وہ تبرک حاصل کریں، جیسا کہ مشرکین تبرک حاصل کرتے
تھے، جبکہ موسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں نے مطالبہ کیا کہ ان کے لیے معبود ہوں جیسے اس
دور کے کفار نے بنائے ہوئے تھے۔ ان دونوں مطالبات میں توحید کی نفی تھی، کیونکہ
درختوں سے تبرک شرک کی ایک قسم ہے اور ان کو الہ بنانا واضح شرک ہے۔“

(القول المفید علی کتاب التوحید: 205/1)

تبرک بدعی :

آثارِ صالحین اور آثارِ اولیا سے تبرک حاصل کرنا بدعت ہے، کیونکہ آثار سے تبرک نبی
اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔ قبر نبوی یا قبورِ صالحین سے تبرک غیر مشروع ہے، کیونکہ اس پر
کوئی دلیل شرعی نہیں، بلکہ بہت سی احادیثِ نبویہ صریح طور پر اس فعل کی قباحت و شناعة بیان
کرتی ہیں۔

مقامِ ابراہیم کو بطور تبرک بوسہ دینا، کعبۃ اللہ کی دیواروں کو چومنا، غلافِ کعبہ کو پکڑ کر
دُعائیں کرنا، کعبہ کے پرنا لے کے نیچے کھڑے ہو جانا، صالحین کے آثار کو چومنا، بطور تبرک
صالحین کے پاؤں کو بوسہ دینا اور برکت حاصل کرنے کی نیت سے حجرِ اسود کو چومنا، انبیاءِ کرام
اور الیاءِ عظام کے مقاماتِ ولادت و وفات سے تبرک حاصل کرنا، شبِ براءت، شبِ میلاد

النبی اور شبِ معراج کو عبادت کے ساتھ خاص کر کے تبرک حاصل کرنا، مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ کی زمین کو چومنا، مسجدِ نبوی کے ستونوں کو چومنا، جمعرات یا کسی بھی دن اس نظریے سے نکاح کرنا کہ اس میں برکت ہوگی، نعلین شریفین کی (جو کہ فرضی ہوتی ہے) بنا کر اس سے تبرک حاصل کرنا، کعبۃ اللہ کی شبیہ بنانا، صالحین کی قبروں کی مٹی کو متبرک سمجھنا، صالحین کی نشست گاہوں، اقامت گاہوں کو متبرک خیال کرنا، خاص نیت سے ان کی قبروں کی طرف سفر کرنا، وہاں نماز پڑھنا، صالحین کی قبروں پر مساجد بنانا، وہاں صدقات و خیرات تقسیم کرنا، ننگے پاؤں چل کر قبروں پر حاضری دینا، نذر و نیاز دینا اور ان کی اشیا و آثار کے وسیلہ سے اللہ کی بارگاہ میں دُعا کر کے تبرک حاصل کرنا بدعت ہے۔

سلف صالحین، صحابہ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین اور ائمہ اسلام سے ایسا کچھ ثابت نہیں۔ اگر یہ افعال و اعمال دین کا حصہ ہوتے، تو اسلاف امت بڑھ چڑھ کر ان کو اپناتے، کیونکہ وہ خیر و برکت کے حصول پر بہت زیادہ حریص تھے۔ وہ دین ہی کیا جس کا بافضلیت زمانوں میں ذکر تک نہ ہو؟

امام بریلویت، احمد رضا خان بریلوی کس قدر غلو میں مبتلا ہیں! لکھتے ہیں:

”لہذا در بارہ کربلائے معلیٰ (قبر حسین علیہ السلام) اب صرف کاغذ پر صحیح نقشہ لکھا ہوا محض

بقصد تبرک بے آمیزش منہیات پاس رکھنے کی اجازت ہو سکتی ہے۔“

(فتاویٰ رضویہ، جلد 21، صفحہ: 424)

نیز لکھتے ہیں:

”یونہی اگر روضہ مبارکہ حضرت شہزادہ گلگوں قبا حسین شہید ظلم و جفا صلوات اللہ

وتعالیٰ وسلامہ علی جدہ الکریم وعلیہ کی صحیح مثل بنا کر محض تبرک بے آمیزش منکرات

شرعیہ مکان میں رکھے تو شرعاً کوئی حرج نہ تھا۔“ (فتاویٰ رضویہ: 423/21)

قارئین کرام! جس مذہب پر قرآن و حدیث، آثارِ صحابہ اور ائمہ محدثین کے قول و فعل سے دلیل نہ ملے، یقیناً وہ عجمی اور بدعی مذہب ہے۔ اس کی بنیاد تو وحیِ شیطانی اور خواہشاتِ نفسانی پر ہوتی ہے۔ اس سب کے باوجود ایسے مذہب کو اپنانے والے اپنے آپ کو اس دھڑلے سے اہل سنت کہتے ہیں کہ عام لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں کا مشن ہی بدعات کو فروغ دینا ہو، وہ صحابہ و تابعین کو کیسے معیار بنالیں؟

✽ شیخ سلیمان بن عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ (1200-1233ھ) لکھتے ہیں:

ذَكَرَ بَعْضُ الْمُتَأَخِّرِينَ أَنَّ التَّبَرُّكَ بِآثَارِ الصَّالِحِينَ مُسْتَحَبٌّ
كَشْرِبِ سُورِهِمْ، وَالتَّمَسُّحُ بِهِمْ أَوْ بِشَيَابِهِمْ، وَحَمْلُ الْمُؤَلُّودِ إِلَى
أَحَدٍ مِنْهُمْ لِيُحْنِكَ بِتَمْرَةٍ حَتَّى يَكُونَ أَوَّلَ مَا يَدْخُلُ جَوْفَهُ رِيقُ
الصَّالِحِينَ، وَالتَّبَرُّكَ بِعَرَقِهِمْ وَنَحْوِ ذَلِكَ، وَقَدْ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ أَبُو
زَكَرِيَّا النَّوَوِيُّ فِي شَرْحِ مُسْلِمٍ فِي الْأَحَادِيثِ الَّتِي فِيهَا أَنَّ
الصَّحَابَةَ فَعَلُوا شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،
وَوَظَنَ أَنَّ بَقِيَّةَ الصَّالِحِينَ فِي ذَلِكَ كَالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،
وَهَذَا خَطَأٌ صَرِيحٌ لَوْجُوهٍ؛ مِنْهَا عَدَمُ الْمُقَارَبَةِ فَضْلًا عَنِ الْمَسَاوَةِ
لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفَضْلِ وَالْبَرَكَةِ، وَمِنْهَا عَدَمُ
تَحَقُّقِ الصَّلَاحِ، فَإِنَّهُ لَا يَتَحَقَّقُ إِلَّا بِصَلَاحِ الْقَلْبِ، وَهَذَا أَمْرٌ لَا
يُمْكِنُ الْإِطْلَاعُ عَلَيْهِ إِلَّا بِنَصٍّ، كَالصَّحَابَةِ الَّذِينَ أَنْتَى اللَّهُ عَلَيْهِمْ
وَرَسُولُهُ، أَوْ أئِمَّةُ التَّابِعِينَ، وَمَنْ شَهَرَ بِصَلَاحٍ وَدِينٍ كَالْأئِمَّةِ

الرَّابَعَةَ وَنَحْوِهِمْ؛ مِنَ الَّذِينَ تَشْهَدُ لَهُمُ الْأُمَّةُ بِالصَّلَاحِ، وَقَدْ عُدِمَ
أُولَئِكَ، أَمَّا غَيْرُهُمْ؛ فَعَايَةُ الْأَمْرِ أَنَّ نَظْنَ أَنَّهُمْ صَالِحُونَ، فَنَرْجُو
لَهُمْ، وَمِنْهَا أَنَّا لَوْ ظَنْنَا صِلَاحَ شَخْصٍ؛ فَلَا نَأْمَنُ أَنْ يُخْتَمَ لَهُ
بِخَاتِمَةِ سُوءٍ، وَالْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ، فَلَا يَكُونُ أَهْلًا لِلتَّبَرُّكِ بِآثَارِهِ،
وَمِنْهَا أَنَّ الصَّحَابَةَ لَمْ يَكُونُوا يَفْعَلُونَ ذَلِكَ مَعَ غَيْرِهِ، لَا فِي حَيَاتِهِ
وَلَا بَعْدَ مَوْتِهِ، وَلَوْ كَانَ خَيْرًا لَسَبَقُونَا إِلَيْهِ، فَهَلَّا فَعَلُوهُ مَعَ أَبِي بَكْرٍ
وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ وَنَحْوِهِمْ؛ مِنَ الَّذِينَ شَهِدَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجَنَّةِ، وَكَذَلِكَ التَّابِعُونَ؛ هَلَّا فَعَلُوهُ مَعَ سَعِيدِ
ابْنِ الْمُسَيَّبِ، وَعَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ، وَأُوَيْسِ الْقُرْنِيِّ، وَالْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ
وَنَحْوِهِمْ؛ مِمَّنْ يُقْطَعُ بِصَلَاحِهِمْ، فَدَلَّ أَنَّ ذَلِكَ مَخْصُوصٌ بِالنَّبِيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمِنْهَا أَنَّ فِعْلَ هَذَا مَعَ غَيْرِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ لَا يُؤْمَنُ أَنْ يُفْتَنَهُ، وَتَعَجَّبَهُ نَفْسُهُ، فَيُورِثُهُ الْعُجْبَ وَالْكِبَرُ
وَالرِّيَاءَ، فَيَكُونُ هَذَا كَالْمَدْحِ فِي الْوَجْهِ، بَلْ أَعْظَمُ.

”بعض متاخرین نے ذکر کیا ہے کہ نیک لوگوں کے آثار سے تبرک لینا مستحب
ہے، مثلاً ان کا بچا ہوا پانی وغیرہ پینا، ان کے جسم یا کپڑوں کو چھونا، نومولود بچے کو
ان میں سے کسی کے پاس لے کر جانا تاکہ وہ اسے کھجور کی گھٹی دے اور بچے کے
پیٹ میں سب سے پہلے جو چیز داخل ہو، وہ نیک لوگوں کا لعاب ہو، اسی طرح ان
کے پسینے سے برکت حاصل کرنا وغیرہ۔ اس قسم کی بہت سی باتیں علامہ ابو زکریا،

نوی ﷺ نے شرح صحیح مسلم میں ان احادیث کے تحت کی ہیں، جن میں صحابہ کرام کے نبی اکرم ﷺ کے آثار سے تبرک لینے کا بیان تھا۔ علامہ نووی رحمہ اللہ نے یہ سمجھ لیا کہ باقی نیک لوگوں کا بھی اس سلسلے میں وہی معاملہ ہے، جو نبی اکرم ﷺ کا تھا، لیکن یہ واضح غلطی ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں؛ ① نیک لوگ فضل و برکت میں نبی اکرم ﷺ کے برابر تو کجا قریب قریب بھی نہیں پھٹکتے۔ ② عام نیک لوگوں کی نیکی متحقق نہیں ہوتی، کیونکہ نیکی تو دل کی پاکیزگی سے ثابت ہوتی ہے اور دل کا معاملہ ایسا ہے، جس کا علم صرف نص سے ہو سکتا ہے۔ مثلاً صحابہ کرام جن کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے تعریف کی یا تابعین ائمہ اور وہ لوگ جن کی نیکی اور دین داری مشہور ہو گئی، جیسے ائمہ اربعہ وغیرہ، جن کی نیکی کی ساری امت گواہی دیتی ہے۔ یہ سب لوگ تو گزر چکے ہیں۔ رہے باقی نیک لوگ، تو ان کی نیکی کے بارے میں زیادہ سے زیادہ ہمارا گمان ہوتا ہے۔ ہم اللہ کے ہاں ان کے نیک ہونے کی امید رکھتے ہیں۔ ③ اگر ہم کسی شخص کے نیک ہونے کا گمان کر بھی لیں، تو اس بات کا خدشہ ختم نہیں ہوتا کہ ان کا خاتمہ بُرا ہو جائے، جبکہ اعمال کا دار و مدار خاتمے پر ہے۔ اگر کسی کا خاتمہ بُرا ہو جائے، تو وہ تبرک کا اہل نہیں رہے گا۔ ④ صحابہ کرام نے نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی سے تبرک نہیں لیا، نہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں نہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد۔ اگر یہ نیکی کا کام ہوتا، تو وہ ضرور ہم سے پہلے اسے کرتے۔ صحابہ کرام نے سیدنا ابوبکر و عمر اور عثمان علی وغیرہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایسا کیوں نہ کیا، جن کے لیے نبی اکرم ﷺ نے جنت کی گواہی دی تھی؟ اسی طرح تابعین کرام نے امام سعید بن مسیب، علی بن حسین، اولیس قرنی، حسن بصری وغیرہ رحمہم سے کیوں تبرک نہ لیا، جن کو یقینی طور پر

نیک کہا جاسکتا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ تبرک کا معاملہ نبی اکرم ﷺ ہی کے ساتھ خاص تھا۔ ⑤ نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی اور کا تبرک لینے سے یہ خطرہ پیدا ہو جائے گا کہ ایسا کرنا اسے فتنے میں مبتلا نہ کر دے۔ وہ اس وجہ سے خود پسندی، تکبر اور ریاکاری کا شکار نہ ہو جائے۔ یہ معاملہ کسی کے سامنے تعریف کرنے کی طرح ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر مضر ہے۔“

(تیسیر العزیز الحمید فی شرح کتاب التوحید الذی ہو حق اللہ علی العبد، ص: 150، 151)

✽ علامہ، ڈاکٹر، شمس الدین، افغانی، سلفی رحمہ اللہ (1372-1420ھ) لکھتے ہیں:

تَبَرُّكَ بِدْعِي؛ وَهُوَ مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ طَلَبُ الْخَيْرِ وَالنَّمَاءِ مِنْ غَيْرِ اللَّهِ تَعَالَى فِيمَا لَا يَقْدِرُ عَلَيْهِ إِلَّا اللَّهُ، بَلْ كَانَ فِيهِ طَلَبُ الْخَيْرِ وَالنَّمَاءِ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى، وَلَكِنْ بِوَاسِطَةِ شَيْءٍ لَمْ يَرِدِ الشَّرْعُ بِهِ، كَطَلَبِ الْبَرَكَةِ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى بِوَاسِطَةِ غُلَافِ الْكَعْبَةِ، أَوْ طَلَبِ الْبَرَكَةِ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى بِوَاسِطَةِ اسْتِلامِ الْحُجْرَةِ النَّبَوِيَّةِ، أَوْ طَلَبِ الْبَرَكَةِ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى بِوَاسِطَةِ تَمَرِ الْمَدِينَةِ النَّبَوِيَّةِ، وَنَحْوِهَا مِمَّا لَمْ يَرِدْ بِهِ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ، وَقَدْ ذَكَرْتُ عِدَّةَ أَمْثَلَةٍ لِلتَّبَرُّكَاتِ الْبِدْعِيَّةِ الَّتِي يَرْتَكِبُهَا الْقُبُورِيَّةُ عَامَّةً وَالِدِّيُونَدِيَّةُ خَاصَّةً.

”تبرک بدعی وہ ہے جس میں غیر اللہ سے ایسی خیر و بھلائی کی طلب تو نہ ہو، جس پر صرف اللہ تعالیٰ قادر ہے، البتہ اس میں اللہ تعالیٰ سے کسی ایسی چیز کے واسطے سے خیر و بھلائی طلب کی جائے، جس کا جواز شریعت میں موجود نہیں، جیسے اللہ تعالیٰ سے غلاف کعبہ یا استلام حجرہ نبویہ یا مدینہ نبویہ کی کھجور وغیرہ جیسی چیزوں کے

واسطے سے برکت طلب کرنا جن کا کتاب و سنت سے کوئی ثبوت نہیں۔ میں نے بدعی تبرکات کی بہت سی مثالیں ذکر کی ہیں، جن کا ارتکاب قبر پرست (بریلوی) عموماً اور دیوبندی لوگ خصوصاً کرتے ہیں۔“

(جہود علماء الحنفیۃ فی إبطال عقائد القبوریۃ: 1579/3)

✽ حنفی مذہب کی معتبر کتاب میں لکھا ہے:

وَلَا يَجُوزُ اخْذُ شَيْءٍ مِّنْ طِيبِ الْكُعْبَةِ، لَا لِلتَّبَرُّكِ وَلَا لِغَيْرِهِ، وَمَنْ اخْذَ شَيْئًا مِنْهُ؛ لَزِمَهُ رُدُّهُ إِلَيْهَا، فَإِنْ أَرَادَ التَّبَرُّكَ أَتَى بِطِيبٍ مِّنْ عِنْدِهِ؛ فَمَسَحَهُ بِهَا، ثُمَّ أَخَذَهُ.

”کعبہ کی کوئی خوشبو لینا جائز نہیں، نہ تبرک کے لیے نہ کسی اور مقصد کے لیے۔ جو شخص وہاں سے کوئی چیز لے، اسے لوٹانا لازم ہے۔ اگر اس کا ارادہ تبرک کا ہو، تو وہ اپنی خوشبو لے آئے اور کعبہ سے مس کر کے ساتھ لے جائے۔“

(الفتاویٰ الہندیۃ، المعروف بہ فتاویٰ عالمگیری: 265/1)

یہ حصول تبرک کا نیا طریقہ ہے، جسے صحابہ و تابعین اور ائمہ دین نہیں جانتے تھے۔ اس کے بدعت ہونے کے لیے یہی کافی ہے۔

✽ جناب اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

”غلاف کعبہ زادھا اللہ تنویراً کے تبرک ہونے اور اس کی تقبیل تبرک کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔ اگر بوسہ دینے میں صرف اسی قدر اعتقاد ہو اور کسی کو ایذا بھی نہ ہو، تو کچھ مضائقہ نہیں، موجب ثواب و برکت ہے۔“ (فتاویٰ اشرفیہ، ص: 65)

یہ غلو پر مبنی بدعی نظریہ ہے۔ سوائے حجر اسود کے کسی چیز کو بطور تبرک چومنا جائز نہیں۔ علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں:

وَفِيهِ كَرَاهِيَةٌ تَقْيِيلٌ مَا لَمْ يَرِدِ الشَّرْعُ بِتَقْيِيلِهِ مِنَ الْأَحْجَارِ وَغَيْرِهَا .
 ”اس (سیدنا عمرؓ کے فرمان) سے ثابت ہوتا ہے کہ جن پتھروں وغیرہ کے
 چومنے کا ذکر شریعت میں موجود نہیں، انہیں چومنا مکروہ ہے۔“

(عمدة القاري شرح صحيح البخاري: 241/9)

غلافِ کعبہ کے چومنے پر کون سی شرعی دلیل ہے؟

گنگوہی صاحب اور بدعی تبرکات :

✽ جناب محمد عاشق الہی میرٹھی صاحب، رشید احمد گنگوہی صاحب کے بارے میں
 لکھتے ہیں:

”انسان کو جب کسی کے ساتھ محبت ہوتی ہے، تو اس کے تمام متعلقات سے الفت
 پیدا ہو جاتی ہے۔ چونکہ حضرت امام ربانی قدس سرہ کے سوادِ قلب میں حق تعالیٰ
 شانہ اور جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت راسخ ہو گئی تھی، اس لیے حریم شریفین
 کے خس و خاشاک تک آپ محبوب سمجھتے اور خاص وقعت کی نگاہ سے دیکھا کرتے
 تھے۔ مدنی کھجوروں کی گٹھلیاں پسوا کر صندوقچے میں رکھ لیتے اور کبھی کبھی سفوف بنا
 کر پھانکا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ لوگ حریم شریفین کی چیزوں
 زمری کے ٹین اور تخم خرما (کھجور کی گٹھلی) کو یونہی پھینک دیتے ہیں۔ یہ نہیں خیال
 کرتے کہ ان چیزوں کو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی ہوا لگی ہے۔ مولوی محمد اسماعیل
 صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدنی کھجور کی گٹھلی پسوی ہوئی حضرت نے صندوقچہ
 میں سے نکال کر مجھے عطا فرمائی کہ لو، اس کو پھانک لو۔ ایک مرتبہ مدینہ منورہ کی
 اہلی مجھے کھلائی اور ایک دفعہ مدینہ الرسول کی مٹی عطا فرمائی کہ اس کو کھا لو۔ میں
 نے عرض کیا کہ حضرت مٹی کھانا تو حرام ہے! آپ نے فرمایا: میاں وہ مٹی اور ہوگی۔“

(تذکرۃ الرشید: 47/2، 48)

نیز لکھتے ہیں:

”حرمین شریفین سے آئے ہوئے تبرکات کو جب آپ اپنے خدام پر تقسیم فرماتے، تو چہرہ مبارک پر بشارت اور آواز کے لہجہ میں مسرت و انبساط محسوس ہوتا تھا۔ آپ کا دل چاہتا تھا کہ دوسرے بھی ان اشیا کا احترام کریں۔ ایک مرتبہ مولوی حسین احمد صاحب مہاجر مدنی نے ایک گھڑا بھر کر غسالہ شریف کا بھیجا۔ جس وقت اور اہتمام کے ساتھ گنگوہ پہنچایا گیا، وہ ظاہر ہے۔ آپ نے اس کے پہنچتے ہی اس کو کھلوا دیا اور سبیل لگا دی۔ اس دن جو بھی آیا، جواب سلام کے بعد آپ کا یہ ارشاد ہوتا تھا: میاں مولوی یکجی، ان کو بھی پانی پلاؤ۔ بندہ بھی خوش نصیبی سے اس دن جا پہنچا اور تبرک سے فیض یاب ہوا۔۔۔“ (تذکرۃ الرشید: 48/2)

حسین احمد مدنی دیوبندی صاحب، گنگوہی صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

”گنگوہ شریف کے لیے جو تبرکات عامہ تھے، وہ بھائی صاحب اپنے ساتھ لے گئے، مگر حجرہ شریفہ کا غبار، مسجد شریف کی کھجوریں (اس زمانہ میں صحن مسجد نبوی میں بھی چند درخت کھجوروں کے تھے) اور بعض خصوصی دیگر تبرکات میرے ہی پاس تھے۔ چونکہ حجرہ مطہرہ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے خاص خدام جن کو آغاوات کہتے ہیں، مجھ سے پڑھا کرتے تھے، اس لیے خصوصی تبرکات مجھ کو حاصل کرنے میں آسانی ہوتی تھی۔“ (نقش حیات: 102/1)

نیز لکھتے ہیں:

”غبار حجرہ مطہرہ پیش کیا گیا، اس کو سرمہ میں ڈلوا دیا اور روزانہ اس سرمہ کو استعمال فرماتے رہے۔ مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی کھجوروں کے تین دانے پیش

کیے گئے، ان کو تقریباً 72 حصہ میں کر کے تقسیم فرمائے۔ مدینہ منورہ کی کھجوریں جو تقسیم کی گئیں، ان کے متعلق ہدایت فرمائی کہ ان کی گٹھلیاں پھینکی نہ جائیں، ان کو ہاون دستہ میں کٹوا کر رکھ لیا اور روزانہ اس میں سے تھوڑا سا پھانک لیا کرتے تھے۔“ (نقش حیات: 1/103)

✽ جناب حسین احمد مدنی صاحب، گنگوہی صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

”بعض مخلصین نے کچھ کپڑے مدینہ منورہ سے خدمت اقدس میں تبرکاً ارسال کیے۔ حضرت نے نہایت تعظیم اور وقعت کی نظر سے ان کو دیکھا اور شرف قبول سے ممتاز فرمایا۔ بعض طلبہ حضار مجلس نے عرض بھی کیا کہ حضرت اس کپڑے میں کیا برکت حاصل ہوئی، یورپ کا بنا ہوا ہے، تاجر مدینہ میں لائے، وہاں سے دوسرے لوگ خرید لائے، اس میں تو کوئی وجہ تبرک ہونے کی نہیں معلوم ہوئی۔ حضرت نے شبہ کو رد فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا کہ مدینہ منورہ کی اس کو ہوا تو لگی ہے۔ اسی وجہ سے اس کو یہ اعزاز اور برکت حاصل ہوئی۔“

(الشہاب الثاقب، ص: 231، 232)

نیز لکھتے ہیں:

”حضرت مولانا (گنگوہی) کے یہاں تبرکات میں حجرہ مطہرہ نبویہ کے غلاف کا ایک سبز ٹکڑا بھی تھا۔ بروز جمعہ کبھی کبھی حاضرین و خدام کو جب ان تبرکات کی زیارت خود کرایا کرتے تھے، تو صندوقچہ خود اپنے دست مبارک سے کھولتے اور غلاف کو نکال کر اوّل اپنی آنکھوں سے لگاتے اور منہ سے چومتے تھے، پھر اوروں کی آنکھوں سے لگاتے اور ان کے سروں پر رکھتے۔“ (الشہاب الثاقب، ص: 231)

مزید لکھتے ہیں:

”حجرہ مطہرہ نبویہ کا جلا ہوا زیتون کا تیل وہاں سے حضرت (گنگوہی) رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مخلصین نے ارسال کیا تھا۔ حضرت نے باوجود نزاکتِ طبعی کے، جس کی حالت عام لوگوں پر ظاہر ہے، اس کو پی ڈالا۔“ (الشہاب الثاقب، ص: 232) نیز لکھتے ہیں:

”خود احقر (حسین مدنی) نے سوال کیا کہ بعد چالیس روز کے جالی شریف میں اندرون حجرہ مطہرہ اہل مدینہ بچوں کو داخل کرتے ہیں اور خادمِ روضہ مطہرہ اس کو لے جا کر سامنے روضہ اقدس کے قبلہ کی طرف لٹا دیتا ہے اور دعا مانگتا ہے۔ یہ فعل کیسا ہے؟ تو آپ نے استحسان فرمایا اور پسند کیا۔“

(الشہاب الثاقب، ص: 232، 233)

گنگوہی صاحب کے بارے میں عاشقِ الہی میرٹھی نے یہ بھی لکھا ہے:

”مقامِ ابراہیم کا ٹکڑا جو حضرت کے پاس تھا، اس کی نسبت ارشاد فرمایا کہ میرے پاس ایسی چیز ہے کہ اگر شیخ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ موجود ہوتے، تو وہ بھی اس کی زیارت کو آتے۔ حضرت امام ربانی (گنگوہی) تبرکات کے نہایت قدر دان تھے۔ حق تعالیٰ نے آپ کو تبرکات بھی وہ عطا فرمائے تھے، جن کا دوسری جگہ وجود نہ تھا۔ مقامِ ابراہیم، جس کی زیارت سے حرم محترم میں بھی ہزار با مخلوق محروم رہتی ہے، اور اگر زیارت ہوتی ہے، تو عموماً رشوت دے کر، جو معصیت ہے، اس کا ٹکڑا آپ کے پاس تھا، جس کو خدام کی خواہش پر آپ صندوقچی سے نکالتے اور پانی میں ڈال کر نکال لیتے اور پانی کو مجمع پر تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ اس انمول تبرک کی آپ کو اس درجہ محبت و قدر تھی کہ کبھی معتبر سے معتبر خادم کے بھی حوالہ نہیں فرمایا۔ جس وقت آپ اس کی زیارت کراتے، تو مسرت سے باغ باغ ہو جاتے

تھے، بمقتضائے امانعمہ ربک فحدث آپ نے بارہا یہ الفاظ فرمائے کہ مجھے حق تعالیٰ نے وہ شے عطا فرمائی ہے، جو دوسرے کے پاس نہیں ہے۔ آپ کے پاس بیت اللہ زادھا اللہ شرفا وتعلیما کی مقدس چوکھٹ کا چھوٹا سا ایک ٹکڑا بھی تھا۔ اس کی محبت و قدر دانی بھی اسی درجہ کی تھی، بلکہ شاید اس سے بھی کچھ زیادہ۔

علیٰ حضرت حاجی صاحب (امداد اللہ مہاجر مکی) کا عطا فرمایا ہوا جبہ بھی آپ کے پاس تھا۔ یہ بھی انہیں تبرکات کے صندوقچہ میں رہتا تھا۔ جس وقت آپ اس کو نکالتے، تو اوّل خود دست مبارک میں لے کر اپنی آنکھوں سے لگاتے اور پھر یکے بعد دیگرے دوسروں کو سر پر رکھنے کا موقع عطا فرماتے تھے۔ اس وقت آپ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ اس کو کئی سال حضرت نے پہنا اور پھر مجھ کو خصوصیت کے ساتھ عطا فرمایا تھا۔ جو شخص لے کر آیا تھا، اسے یوں کہلا بھیجا تھا کہ اس کو پہننا۔ سو کبھی کبھی تعمیل ارشاد کو پہننا کرتا ہوں۔ تبرک ہے،

رکھ چھوڑا ہے۔“ (تذکرۃ الرشید: 167/2، 168)

قرآن وحدیث اور سلف صالحین کے خلاف تبرک کی بدعی صورتیں نکالنا کوئی محبت نہیں۔ محبت وہی ہے جو شریعت کی ہدایات کے مطابق کی جائے۔ اگر یہی بدعی تبرکات بریلوی حضرات اختیار کریں، تو ان پر فتویٰ لگ جاتا ہے، لیکن اگر یہی بدعات و خرافات آلِ دیوبند کے گھر پہنچ جائیں، تو عین دین کا درجہ اختیار کر لیتی ہیں۔

پاخانے سے تبرک :

جب کوئی انسان سلف صالحین اور ائمہ ہدیٰ کے راستے سے ہٹ جائے، تو اس سے واپسی تباہی اور مضحکہ خیز اور رسوا کن حرکات و سکنات کا صدور یقینی ہو جاتا ہے۔ اندھی عقیدت و محبت اور غلو اس کو مرغوب ہو جاتا ہے، جیسا کہ بانی تبلیغی جماعت، مولوی محمد الیاس صاحب کی نانی جی کے متعلق آتا ہے :

”بی امی کی عمر طویل ہوئی اور انہوں نے نواسوں کی اولاد کو بھی دیکھا۔ اخیر عمر میں بصارت اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئی تھیں اور مرض الموت میں تین سال کامل صاحب فراش رہیں، مگر نہ قلبی ولسانی ذکر اللہ میں فرق آیا اور صبر و رضا بر قضا میں کمی لاحق ہوئی۔ جس مریض کو تین سال مرض اسہال میں اس طرح گزریں کہ کرویٹ بدلنا بھی دشوار ہو، اس کے متعلق یہ خیال بے موقع نہ تھا کہ بستر کی بدبو دھوبی کے یہاں بھی نہ جائے گی، مگر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ غسل کے لیے چار پائی سے اتارنے پر پوتڑے نکالے گئے، جو نیچے رکھ دیے جاتے تھے، تو ان میں بدبو کی جگہ خوشبو اور ایسی نرمالی مہک پھوٹی تھی کہ ایک دوسرے کو سونگھتا اور ہر مرد و عورت تعجب کرتا تھا۔ چنانچہ بغیر دھلوائے ان کو تبرک بنا کر رکھ لیا گیا۔“

(تذکرۃ الخلیل از محمد عاشق الہی میرٹھی، ص: 96، 97)

جس شریعت میں صحابہ کرام جیسی مقدس ہستیوں کے لباسوں سے تبرک لینا روا نہ رکھا گیا، اس میں کسی مولوی کی نانی کے پاخانے والے پوتڑوں کے تبرک کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے، اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

✽ جناب اشرف علی تھانوی صاحب بیان کرتے ہیں:

”ایک متقی پرہیزگار بزرگ نے مجھے ایک انگرکھا (اچکن) مومی چھینٹ کا دیا تھا۔ میں اس کو تبرک سمجھ کر پہنتا تھا۔ اس کا یہ اثر تھا کہ جب تک وہ بدن پر رہتا، معصیت اور گناہ کا خطرہ تک نہ آتا تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ بزرگوں کے کپڑوں میں کیا رکھا ہے؟ مگر میں نے تو یہ مشاہدہ کیا ہے۔“

(مجالس حکیم الامت از مفتی محمد شفیع، ص: 100)

کپڑوں سے تبرک صرف نبی اکرم ﷺ کا خاصہ تھا۔ اس خصوصیت میں آپ ﷺ کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ جب صحابہ کرام و تابعین عظام نے خلفاء راشدین کے کپڑوں سے تبرک حاصل نہیں کیا، تو صدیوں بعد کسی بزرگ کو یہ شرف کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟